۴،۷۳

۱۲۹۱

عظیم شخصیتیں

شیخ عبدالکریم حائری

بیدار محافظ

مؤلف

سعید عباس زادہ

ترجمہ:۔ حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن عباس فطرت

مشخصات کتاب

نام کتاب : ــــــــــ شیخ عبدالکریم حائری - بیدار محافظ

تألیف : ــــــــــ سعید عباس زادہ

ترجمہ : ــــــــــ سید حسن عباس فطرت

ناشر : ــــــــــ انصاریان پبلیکیشنز

سال طبع : ــــــــــ رجب المرجب سنہ ۱۴۱۶ھ

تعداد : ــــــــــ ۲۰۰۰

پریس : ــــــــــ چھاپخانہ بہمن

خطاطی : ــــــــــ کوثر نقوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آج کل جسے تاریخ کا نام دیا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ بڑی بڑی ہستیوں کو پہچنوایا جاتا ہے وہ سب حقیقت نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے جس میں انسان اور دنیا کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ رسمی تاریخ کا تعلق انھیں افراد سے ہوتا ہے جن کی فکر و نظر مادیت سے آگے نہیں جاتی اور انھوں نے انسان اور اس کی دنیا کو جغرافیائی حدود میں قید کر رکھا ہے۔ اکثر مغربی تاریخ نویس حقیقت کو آنکھ کے تل کی طرح مانتے ہیں جو خود کو دیکھ نہیں پاتا وہ لوگ حقیقت شناسی کے میدان میں حواس و ہوش کو کام میں لاتے ہیں جبکہ اس کے معترف ہیں کہ اسے محسوس نہیں کیا جاتا۔

وہ لوگ بہترین تاریخ نویس نہیں ہو سکتے جو تجربہ کو عقل کی بنیاد اور رواں دواں لذت و توسعہ کو انسان کا اعلیٰ مقصد و بشریت کے انجام کا کعبہ جانتے ہیں ایسے لوگ جو "ہستی" کو بے آغاز و انجام کتاب اور انسان کو زندگی کے دلدل کا روئیدہ شجر جانتے ہیں وہ حقائق عالم کی تفسیر و تشریح نہیں کر سکتے یہ لوگ ہمیشہ زمانے کی بساط شطرنج پر ظلمت کے لشکریان کو مات دینے والے بنے رہے اور صرف ایسی چیزوں کو ابھارا جس میں گہرائی ہے نہ حس و تواں۔

آج تاریخ کے کتاب خانوں کی الماریاں مادہ پرست مورخین کی نگارشات

سے بھری پڑی ہیں جنہوں نے ہزاروں کتابیں، مقالے، تصاویر وقلم واسناد اپنے جیسے معمولی افراد کے فضائل ومناقب میں جمع کر کے رکھ دیئے ہیں۔ ان کتاب خانوں میں بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جنہوں نے وحی کے لیے طور کی سیر کی اور آواز لن ترانی سنی اور خلیل خدا کی طرح عقل کو کوچۂ عشق میں قربان کر دیا۔

یہ تاریخ نویس ہمیشہ حالات کو ایک آنکھ سے دیکھنے کے عادی تھے، شاہان ستم گر کے کاسہ لیس اور سطحی نظر رکھنے والے تھے ان کی زیادہ تر روایتیں ساز وسوز وشہرت وشعر وشباب وشراب کی ہوتی تھیں اور وہ عقیدہ وایمان وآزادی کے دشمن تھے۔ ان کا مقبول ومطلوب معیار اب بھی زر، وزور وتزویر ہی ہے۔ اور رنگ ونگ وجنگ انکے تین عناصر ترکیبی ایسے میں شجاعت دائمی کے نگہبانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ مغرب کے معیار ونمونہ پر حملہ کریں اور تفسیر آفتاب لکھیں آفتاب حدیث وروایت نور" کو دہرائیں۔

ہاں! اس فریب ومکر کی دنیا میں حدیث اخلاص اور" قلہ" ہائے شجاعت وایثار" کی باتیں بھی ہونا چاہئیں اور" فکر بلند وجہاد" کے ان صدر نشینوں کا تعارف کرانا چاہیئے جو غفلت وذلت کے اندھے کنویں میں پڑے ہوتے ہیں۔

لازم ہے کہ آزادی کے ان جھوٹے مجسموں[1] کے مقابلے میں" تندیس پارسائی" کو رکھا جائے اور ایسے زمانے میں جبکہ مغرب کے اقتصادی ڈھنڈھورچی" توسعہ[2]" کے خالی نقارے کو پیٹ رہے ہیں۔ صدائے بیداری اور نعرۂ فضیلت کو بلند کرنا چاہئیے حوزۂ علمیہ کے بیدار اشراف اور قبیلہ ابرار کے بہترین فرزندان کا فرض ہے کہ وہ حتی الامکان مغرب کی دروغگوئی وفریبی معیار پیمانے وترازو کو توڑ پھوڑ ڈالیں ان کے

---

[1] تصویر، مجسمہ، پیکر، تمثال [2] وسیع النظری

معیار واقدار کو رسوا کر کے قرآنی واسلامی تہذیب وآداب سے لوگوں کو آشنا کریں اور کفر والحاد و ابتذال واستبداد کی ثقافتی جنگ میں سب لوگ ایک صف ہو کر ایمان و توحید و تقویٰ و عدالت کا لشکر ترتیب دیں۔

یونیورسٹی و حوزۂ علمیہ و مدارس دینی کے علمائے متعہد کا فریضہ ہے کہ جوانوں اور نئی نسل کے سامنے اسلام کے اعلیٰ معیار واقدار اور مغرب کی مبتذل تہذیب کا مقابلہ کر کے انھیں اسلام سے رغبت دلائیں تاکہ امت کے امور کی ڈور مغرب کے پروانہ صفت عشاق کے ہاتھوں میں نہ جانے پائے۔

لہذا اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ خالص عوامی رفاہ طلب افراد اور زاہدان سیاست مدار کا تعارف کیا جائے اور ان کے مقابل میں مغرب کے ہاتھوں بکے ہوئے "پرچمداران علم و سیاست" و "وزیران دین پرور" کی بات چھیڑی جائے اور مغربی سازش والے سمینارو ںکے مقابلے اور اس ڈالر کی حاکمیت والے زمانے میں مدرسہ فیضیہ کے فرزند آزادی واستقلال کا پرچم لے کر کھڑے ہو جائیں اور سرکار مرزا شیرازی کی طرح فتوی کی طاقت کو دکھادیں اور سیاسی و ثقافتی سرحدوں کی نگہبانی تنگ درہ کے کماندار جیسی کریں۔

عظیم شخصیتیں حیات بشری کی راتوں کے مہتاب اور انسانی امن و عافیت کے مضبوط قلعے اور پناہ گاہ ہیں اور انسانی قدروں پر بھیڑیوں کا حملہ ہو تو پناہ گاہوں کی طرف بسرعت چل پڑنا چاہیئے۔

شخصیتونکا قصہ دراصل علم فقہ کے باغبانوں کی داستان ہے وہ فقیہان جاوداں، حکیمان فروتن و فرزانہ جنہوں نے شریعت کی مشعل ہاتھوں میں یوں تھامی کہ سحر

کے سفیر اور مصلحان دلاور بن گئے اس لئے تمام فرزندان اسلام پر لازم ہے کہ ستم وجور و فریب و جہل کی تاریکی میں اس قبیلہ نور کو پہچانیں "درفش[1] ولایت" سے آشنا ہوں اور مغرب کی سیاہ رات میں مشرق و شمال و جنوب کے ستاروں کی مدد سے راستہ ڈھونڈھ نکالیں یہ "قلم کی رسالت و منصب، حریت کی حدیث مسلسل، نور و نمائش کے حلقہ کی پاسداری ہے لہذا خیال رہے کہ دوسرے لوگ ہرگز ہماری دلاوری کی تاریخ نہیں لکھیں گے نہ ہماری تہذیب ثقافت کی تعریف کریں گے ہمیں خود ہی یہ کام کرنا ہوگا ان ستاروں کی سوانح عمری لکھنا ہمارا فرض ہے کیونکہ ظلمت کے نگہبان و پرستار ہمیشہ نور سے بھاگتے ہیں اور فکر و نظر کے جلاد کبھی بھی عقل و وحی کے طرفداروں کو اچھا نہیں کہیں گے اور سستی و کاہلی کے عاشق کبھی بھی پرواز کے ترانے نہیں سنائیں گے۔

ان ہی مقاصد و مطلوب کو لے کر مرکز تحقیق باقر العلوم نے ایک چھوٹا سا کام شروع کیا ہے اور نیکوکاروں اور عظیم شخصیتوں نیکوکاروں کی داستان زندگی کو حوزہ علمیہ قم کے طلاب اور سازمان تبلیغات اسلامی کی مدد سے شائع ہو رہی ہے اس کے لئے ہم خدائے بزرگ کے سپاس گزار و ثنا خواں ہیں۔

اس کے ساتھ ہم محترم نویسندگان و قارئین کے شکر گذار ہیں عظیم شخصیتوں کی زیارت ان ہی ستاروں کے ذکر پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آئندہ دنوں میں ہم ساٹھ دیگر شخصیات پُر نور کی زیارت کریں گے۔ اور ان کی حیات و آثار پڑھ کر فیض حاصل کریں گے توفیق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اسی سے قبولیت و الطاف بیکراں کی امید ہے آخر میں صاحبان فکر و نظر اور قارئین سے گزارش ہے کہ اپنے مشورہ قم پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵/۱۳۵ کے پتے پر بھیج کر ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

قم مرکز تحقیق باقر العلوم

---

[1] پرچم۔ علم۔ جھنڈا

مقدمہ:

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے وہ دراصل ایک مجتہد آگاہ و فقیہ فرزانہ شیخ عبدالکریم حائری یزدی کی جدوجہد سے بھری ہوئی فداکارانہ زندگی کا مختصر بیان ہے صالحین کے قبیلہ کا ایسا بزرگ انسان جس کا ظہور تاریکیوں کے زمانے میں ہوا اور اس نے نئے نئے افق روشن ظاہر کردیتے وہ ہستی جس کا شمار خود اس عہد کے فقہائے فرزانہ میں ہوتا تھا فقیہ پرور بھی ہوگیا اور اب اس کا شمار حریم نور کے نگہبانوں میں ہوتا ہے۔

درحقیقت آیۃ اللہ حائری کو فکر و دانش کے دائرے میں رکھ کر ہی پہچاننا چاہیئے یعنی وہ حلقہ خاص جو تاریخ علم و دانش میں ابلتے ہوئے چشمے جیسا تھا جس نے جہل و نادانی کے چٹیل میدان کو یکدم عقل و دانش کے نخلستان میں تبدیل کردیا اور اسلام کی غربت اور اس کی قدروں کے ضعف کے زمانے میں فساد و تباہی کے بادلوں کے پیچھے اسلام کی مقطر فکر کو تعصب سے کنارہ کرتے ہوئے تمام فرہنگی و اجتماعی ابعاد میں عام کیا اور وحی الٰہی کے بیکراں سمندر سے متصل پُر جوش دریا کی طرح اپنے علم و دانش کے محبت بھرے دامن میں بڑے بڑے علماء کو جگہ دی جس میں سے ہر ایک گوہر گراں بہا تھا اور اس نے ساحل کے تشنگان کے لیئے معنویت کا خزانہ کھول دیا۔ شیخ عبدالکریم اسلام کی ایسی عظیم

پاگاہ تھے جنہوں نے مفاد پرستوں کے خلاف سیاسی میدانوں میں جہاد
اور اقتدار پسند مکاروں سے مجاہدہ کے جذبہ کو تقویت بخشی اور گوہر شب چراغ
کی طرح خوف زدہ دلوں کی تاریکی میں چمکتے رہے۔

دارالعبادۂ یزد

دارالعبادۂ یزد، ایک افسانوی شہر اور یادوں سے بھری زمین ہے کسی زمانے میں اس شہر کو سکندر ذوالقرنین کا زندان کہا جاتا تھا۔ اسلام کے ظہور اور اس کی توسیع و اشاعت کے بعد حضرت علیؑ کی جانب سے اس کا نام "دارالعبادۃ" رکھا گیا جو بعد میں کافی مشہور ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ۲۵ھ ہجری میں یزد گرد سوم نے لشکر اسلام سے شکست کھائی تو اصفہان کے راستے سے یزد کی طرف بھاگا تاکہ دوبارہ اپنے لشکر کو جمع کرکے اسے اسلامی افواج سے جنگ پر ابھارے مگر اس کو اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی اور اسلامی لشکر نے اس کا تعاقب کرتے ہوتے اسے اس شہر سے نکال باہر کیا اور اسی سال یزد اسلام کی آغوش میں آگیا۔ اور وہاں کے لوگ آتشکدوں اور ساسانیوں کے معابد کو ترک کرکے مسجدوں کی طرف آگئے اور حکومت توحید کی رعایا بن گئے۔

۳۵ھ میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے مسلم بن زیاد یزد کا حاکم بنایا گیا اور اس نے لوگوں سے آنجناب کے لئے بیعت لی اس نے پہلی فرصت میں مدارس قائم کئے اور شہریوں کی تعلیم و تربیت میں سرگرم ہوگیا رفتہ رفتہ

یزد پوری طرح اسلام کے گھنے سایے تلے آگیا اور ابتدا ہی سے حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کا دوست بن گیا اس کے بعد وہ اسلامی علوم ومعارف کا گہوارہ بھی بن گیا۔ چنانچہ ہر صدی میں اس نے اسلامی دنیا کو جلیل وعظیم علماء عطا کئے اور اس کتاب کے ممدوح کو بھی جو اسی سرزمین کے دامن میں پرورش پانے والے فرزندان میں سے ایک تھے۔

کرامات حق

یزد سے ۱۰ کیلو میٹر کی دوری پر مہر جرد نامی ایک گاؤں ہے وہاں ایک پاک دل وپرہیزگار بزرگ بنام محمد جعفر رہا کرتے تھے جنھیں سب ان کے تقوی وبزرگی کے سبب سے پہچانتے تھے۔

اپنے آباواجداد کی طرح وہ بھی زراعت پیشہ تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ محمد جعفر جب جوان ہوتے تو اسی گاؤں میں شادی کر کے نئی زندگی کی شروعات کی اور اولاد کا انتظار کرنے لگے مگر ان کی امید پوری نہیں ہوئی شادی کے برسوں بعد جب جوانی گزر گئی اور کیف ونشاط کا زمانہ ختم ہو گیا تب بھی محمد جعفر بے اولاد ہی رہے۔ اس غم نے انھیں ایسا گھیر لیا کہ زندگی ان کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی ایک طرف جوانی کا گزر جانا دوسری طرف اولاد کی خواہش، ان دونوں باتوں نے ان کی زندگی تلخ کر رکھی تھی آخر کار انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ دوسری شادی کریں گے اور انھوں نے اپنی غمزدہ بیوی سے رضامندی بھی حاصل کر لی اس کے بعد ایک بیوہ عورت سے جو ایک بچی کی ماں بھی تھی نکاح کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اسی دن جب وہ اس بیوہ کے گھر میں داخل ہو رہے

تھے عجیب اتفاق یہ ہوا کہ محمد جعفر کی آنکھ اس ننھی سی یتیم بچی پر پڑگئی جو ایک گوشہ میں بیٹھی رو رہی تھی اور آنسو اس کی آنکھوں سے ڈھل کر رخسار پر بہہ رہے تھے۔ محمد جعفر اس منظر کو برداشت نہ کر سکے اور فوراً وہاں سے اپنے گھر لوٹ آئے۔

نماز کا وقت آگیا تھا جلدی جلدی مسجد پہونچے اور درگاہ احدیت میں دل شکستہ و پریشان حال حاضر ہو گئے اور دست دعا بلند کر کے یوں گویا ہوئے:
"خدایا میں اب اولاد کی خاطر کسی کے گھر نہ جاؤں گا کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی یتیم کی دل شکنی ہو جائے میں اپنی زندگی تیرے حوالے کرتا ہوں تو مجھے فرزند عطا کر سکتا ہے۔ بار الہا اگر تو میری اسی عورت سے بچہ دینا چاہتا ہے تو مرحمت فرما اور اگر تیری منشا یہ ہے کہ میں لاولد رہوں تب بھی میں تیری رضا پر راضی رہوں گا۔"

محمد جعفر کی زندگی میں وہ دن نہایت پرمسرت و مبارک تھا جبکہ ان کی دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی اسطرح (۱۲۶۷ھ) میں ان کا پاک و پاکیزہ مکان ایک ننھے منے بچے کے نور جمال سے منور ہو گیا اور جہرجرد کے باشندوں کے لئے یہ غیر معمولی واقعہ بہت زیادہ خوشی و حیرت کا موجب ہوا۔

بچے کے باپ نے جو اس بچے کو کرامت پروردگار مانتا تھا بچہ کا نام عبدالکریم رکھا اور عبدالکریم بھی آخر کار برسوں بعد بندگان خدا پر فیض کرامت الٰہی کی بارش کا وسیلہ بنا۔

عشقِ پنہاں

عبد الکریم نے مادرِ مہربان کے پرشفقت سایہ میں چھ سال گذارے اس کے بعد مدرسہ جانے کا وقت آیا کیونکہ وہ ابتداء ہی سے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اور کبھی کبھی اس خواہش کو باپ کے سامنے ظاہر بھی کرتا رہتا تھا مگر باپ باوجودیکہ بیٹے کو تعلیم دینا چاہتا تھا پھر بھی کچھ نہ کرسکا کیونکہ اس وقت مہرجرد میں مکتب و مدرسہ تھا ہی نہیں اور بچے کھیتی کسانی کا کام کر کے مویشی چرا کے یا اپنے باپ کے ہنر و پیشہ میں ہاتھ بٹا کر جوان ہو جایا کرتے تھے۔ عبد الکریم بھی اسی دیہات کے ایک نونہال تھے ان کے پاس بھی اس کے سوا اور کوئی دوسرا کام نہیں تھا لہذا مجبوری تھی۔ چنانچہ اسی عالم میں ایک زمانہ گذر گیا اور عبد الکریم مہرجرد کے گاؤں میں دن کاٹ رہے تھے یہاں تک کہ ایک دن ان کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص بنام محمد جعفر معروف بہ میر ابو جعفر آگئے جو خود عالم تھے اور روحانی لباس بھی پہنے ہوتے تھے۔ انھوں نے اس بچہ کو پہلی نظر میں تاڑ لیا اور اس کی چھپی ہوئی ذہانت و صلاحیت و غیر معمولی استعداد کو دیکھ کر اس کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ماں باپ کی رضامندی حاصل کر کے عبد الکریم کو اردکان لے گئے اور مکتب میں بیٹھا دیا۔

ان دنوں "اردکان" کی علمی حیثیت اس زمانے جیسی نہیں تھی جبکہ وہ چھوٹا یونان کہلاتا تھا کیونکہ فقہاء و علمائے اسلام نے اس قصبہ سے ہجرت کر کے آہستہ آہستہ حوزہ علمیہ نجف و یزد کو آباد کر لیا تھا اس کے باوجود یہاں علم کا چراغ خاموش

نہیں ہوا تھا اور ابتدائی علوم وادبیات وقرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔
عبدالکریم نے اس اجنبی شہر میں چند سال رفت وآمد کر کے گذارے۔ دن کو وہ اساتذہ کے درس میں جاتے اور رات ابو جعفر کے گھر میں بسر کرتے تھے اور شب جمعہ کو والدین سے ملاقات کرنے کے لئے مہر جرد کا راستہ پکڑ لیتے یہ چند سال عبدالکریم نے تکلیف وسختی میں کاٹے مگر جب مدتوں بعد وہ مقام مرجعیت کو پہونچے اور استاد مسلّم مانے جانے لگے تو اپنی کامیابی کو میر ابو جعفر کے ایثار وفداکاری کا مرہون بتاتے اور شہر اردکان میں مکتب کے ایام کا زمانہ کا ذکر بہت لذت لے کر کرتے تھے۔

ماں کے آنسوؤں کی شبنم کے تلے

بڑے لوگوں کی زندگی ہمیشہ سختیوں اور ناہمواریوں سے بھری رہی ہے بچپن میں وہ تکلیف ورنج کی دنیا میں پرورش پاتے رہے ہیں اسی لئے آگے چل کر سخت سے سخت طوفان کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہتے ہیں۔ عبدالکریم کی نوجوانی بھی حوادث سے پر مستقبل رکھنے والوں جیسی رہی ان کی زندگی بھی تاریخ کی اعلیٰ شخصیتوں جیسی گذری ہے۔ نوجوانی ہی میں وہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اور پھر غم نصیب ماں کی تنہائی دور کرنے کے لئے مہر جرد آگئے۔ مدتوں طلب علم کے عشق کی آگ سینہ میں دباتے رہے اور بدترین حالات میں ماں کے ہمدم ومونس بنکر برسوں مکتب ومدرسہ ودوستوں سے دور اپنے گاؤں میں پڑے رہے۔ چند سال بعد جب پھر آتش شوق علم بھڑکی تو ماں سے اپنا حال دل کہہ سنایا۔ ماں خود ایک مومنۂ پاک وعاشق اہلبیت

تھیں انھیں تو جیسے اس دن کا انتظار تھا۔ عبدالکریم کی ماں نے حوزہ علمیہ یزد کے لئے ان کا سامان سفر تیار کیا اور آنسو پی کر اپنے فرزند کو کاروان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

حوزۂ یزد

تیرہویں صدی کے اواخر میں یزد کا حال یہ تھا کہ یہاں علوم دینی کے پانچ مدرسے موجود تھے جن میں بہترین طلاب علوم اسلامی کا اجتماع تھا اور سبھی لائق توجہ کردار و معنویت کے حامل تھے۔ حوزہ علمیہ نجف کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ علماء اور شیخ مرتضی انصاری و مرزا شیرازی کے تلامذہ یہاں درس دیتے تھے اس طرح یزد عجب پر رونق حوزۂ علمی کی حیثیت رکھتا تھا۔ دیگر مدرسوں میں محمد تقی خاں کا مدرسہ بہت شہرت رکھتا تھا یہاں سطحی و خارج دونوں درس ہوتے تھے اور آقائی مدرس بزرگ جیسے عظیم علماء ان حوزات علمیہ کے نگراں و ناظم تھے۔

جوان عبدالکریم، ایسی معنوی فضا والے دارالعبادۂ یزد میں قدم رکھتے ہیں، ہر طرف سے ان کا استقبال ہوتا ہے وہ مدرسہ محمد تقی خاں میں قیام کر کے سالہا سال علماء اعلام و اساتذہ بزرگ سے علوم اسلامی کی تحصیل کرتے ہیں۔ سخت محنت و لگن کے ساتھ درس و مطالعہ کی مشغولیت ان کو جلد ہی ایک اسلامی دانشمند و عالم بزرگ بنا دیتی ہے اور ان کی اجتماعی و معنوی شخصیت مسلم ہو جاتی ہے۔

شوق دیدار

ملکِ عراق کے چار مذہبی شہر، نجف، کربلا، کاظمین، سامرّہ کو "عتبات" کہا جاتا ہے۔ یہ شہر فرزندان پیغمبر کے میزبان ہیں اور وہاں کی مٹی نے ہمارے بزرگ ائمہ کے پاک وجود کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ یہ چاروں شہر صدیوں سے متواتر مکتب تشیع کے شیفتگان کے لئے مورد توجہ شوق رہے اور دنیا کے گوشے گوشے سے عشاق کو اپنی طرف کھینچتے رہے ہیں حرم اہل بیت کے زائرین ہر سال آستان بوسی کے شوق میں اس عہد کی پُر خطر راہوں اور تکالیف سفر کو ہتھیلی پر جان رکھ کر برداشت کرتے اور دیار معشوق کی طرف جاتے رہے ہیں اور پھر ہفتوں مہینوں تک ان شہیدانِ راہ فضیلت و انسانیت کی ملکوتی بارگاہ کے پہلو میں دعا و عبادت گذاری میں بسر کرتے رہے ہیں۔ یہ شہر اماموں کے وجود کی برکت کے علاوہ حوزہ ہائے علمیہ کے مالک بھی رہے ہیں اسی وجہ سے وہاں پر دور ونزدیک کے بیشتر علمائے دین و دانشوران عالی قدر جمع ہوتے رہے ہیں اور ائمہ کی بارگاہ مقدس کے ارد گرد اسلامی مسائل کے درد وس پر بحث و مذاکرہ کرتے رہے ہیں اور یہاں سے دانش و معرفت کا تحفہ علمی و معنوی ذخیرہ دور دور لے جاتے ہیں جوان و تشنۂ علم عبدالکریم کے دل میں عتبات عالیات کی زیارت کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک زیارتی قافلہ کے ساتھ ادھر چل پڑتا ہے اور چونکہ اس کا خیال تھا کہ علمی محافل میں قدم رکھنے اور اساتذہ کے سامنے زانو ٹیکنے سے قبل روح د

جان کی طہارت وتنزیہ ہونا چاہیئے اس لئے قافلہ سے جدا ہو جاتا ہے باوجودیکہ اس زمانہ میں سامرّا کا حوزہ علیہ نہایت پر رونق تھا مگر وہ کربلا کو چن لیتا ہے اور حرم مقدس حسینی کے جوار میں دو سال صرف تہذیب نفس و تحصیل طہارت کے لئے گذارتا ہے۔

شہر خون وشجاعت

شہر خون وشجاعت یعنی کربلا دریائے فرات کے جنوب مغرب میں بغداد سے ۱۰۵ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اسلام سے پہلے گذشتہ زمانے میں کلدانیوں کے معابد کی وجہ سے اس کا نام کربلا (معبد خدایان) پڑ گیا۔ لیکن ظہور اسلام کے بعد ۶۱ھ کی دسویں محرم تک یہ خطہ بالکل غیر آباد تھا اور وہاں کوئی نہیں رہتا تھا بس ایک لق ودق صحرا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جو پرانے زمانے میں جنگ کے لئے مناسب ٹھکانا مانا جاتا تھا لیکن عاشور محرم کے خونین حادثہ کے بعد یعنی جس دن یہاں پر سید الشہداء کا خون پاک بہایا گیا اسی روز سے یہاں حیات کی لہر دوڑنے لگیں۔ اور اس کا نام تمام دنیا میں پھیل گیا ہر سال اس سرزمین پر عاشقان حسینی کے بڑے بڑے قافلے آنے لگے اور تھوڑے ہی دنوں میں وہاں تعمیر شروع ہو گئی مکانات بننے لگے اور اس طرح کربلا کا شہر آباد ہو گیا اور اس کا شمار اہم مذہبی شہروں میں ہونے لگا۔ جیسے جیسے دن گذرتے گئے اس شہر کے شیعہ امراء و حکام کی توجہ سے بارگاہ حسینی کی عظمت بڑھتی گئی اور دھیرے دھیرے چند فقہاء و علماء وہاں آگئے۔ اور کربلا ایک باعظمت حوزہ علمیہ بن گیا اس کے بعد گذشتہ صدیوں میں جہاد وشہادت کے دیوانوں کے لئے

کعبۂ مراد اور علماء اور روحانیین کی مجلس میں بدل گیا۔ جن کے نوک قلم سے خاندان علوی کے افکار کا چشمۂ آب حیات تاریخ بشریت میں ہمیشہ جاری رہا ہے۔

لیکن دشمنان اہلبیت و تشیع کو اس مرکز فضیلت و جوانمردی کی شان پسند نہیں آئی اسی لئے شہادت امام حسینؑ کے بعد سے کربلا کی پوری تاریخ ناگوار حالات اور خرابیوں و تباہیوں سے بھری رہی منصور دوانیقی کی غارت گری و تجاوز وحشیانہ و متوکل عباسی کی سفاکی و جرائم (۲۶۹-۲۲۳ھ) کے تحت امام کی بارگاہ کی ویرانی کے بعد جو سب سے زیادہ دردناک و خون کے آنسو رلانے والا واقعہ تھا وہ خبیث وہابیوں کے ہاتھوں شہر کے بے گناہ عوام کا قتل عام تھا۔

۱۲۱۶ھ میں سعود بن عبد العزیز پچیس[۲۵] ہزار وہابیوں کی فوج لے کر اس شہر پر ٹوٹ پڑا اور تقریباً پانچ ہزار شیعوں کے قتل و خونریزی کے ساتھ ساتھ حرم مطہر کے تمام اموال و جواہرات کو بھی لوٹ لیا۔ لیکن جس زمانے میں شیخ عبد الکریم یزدی کربلا میں اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہہ کرکے معنویت کے گہر و لعل اکٹھا کر رہے تھے اس وقت کربلا میں امن و سکون تھا۔ چنانچہ وہ بھی صدہا طلاب علوم اسلامی کی طرح روزانہ اپنے حجرہ سے امام حسینؑ کے حرم میں جاکر شور و غل سے دور ساکت و خاموش فضا میں علم و تقوی کے زیور سے خود کو آراستہ کرتے تھے۔

آغاز تلاش

عبد الکریم ایک باذوق جوان اور استعداد و صلاحیت کے نشہ میں ڈوبے ہوئے تھے وہ دعا و مناجات و راتوں کی تنہائی سے بہت مانوس

تھے۔ انھوں نے ابتدا میں کربلا کے بزرگ عالم آیۃ اللہ فاضل اردکانی کے درس میں شرکت کی اپنی محنت د کوشش سے استاد کا دل جیت لیا فاضل اردکانی حوزہ علمیہ کربلا کے رئیس تھے۔ ان کی سفارش پر عبدالکریم کو مشہور مدرسہ "حسن خاں" میں جگہ مل گئی اور وہ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آیۃ اللہ اردکانی نے عبدالکریم کو مستعد و محنتی پایا تو ان کی تعلیم و تربیت میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لی اور ان کی کوشش سے عبدالکریم کا شمار حوزہ علمیہ کربلا کے افاضل میں ہونے لگا۔ استاد کی زاہدانہ زندگی نے بھی ان کو عملی درس دیا انھوں نے آیۃ اللہ فاضل اردکانی کے زیر سایہ دو سال گذارے اس مدت میں عبدالکریم کی ذہانت و استعداد استاد پر آشکار ہو گئی اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اب حوزہ علمیہ کربلا ان کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے حوزہ علمیہ سامرہ کے لئے انھیں تیار کیا اور مرجع تقلید وقت مرزای بزرگ شیرازی کے نام ایک خط لکھ کر دیا جس میں عبدالکریم کی اخلاقی و علمی صلاحیت کا ذکر تھا۔ اور اپنی دعاؤں کے ساتھ با احترام طور پر انھیں سامرا بھیج دیا۔

میرزا کے شریعت کدہ میں

اس زمانے میں شیعوں کے مرجع تقلید میرزای شیرازی تھے جو عالمی شہرت کے حامل تھے سامرا میں ان کا غریبانہ اور زاہدانہ مکان علم و سیاست کے شہسواروں کا اڈہ تھا۔ عراق کی سخت گرمیوں میں سرداب والا مکان بہترین مانا جاتا تھا اور مرزای شیرازی کے مکان میں تین بڑے سرداب تھے۔ جن میں سے ایک ان مسافروں کے استراحت کے لئے تھا جو مرزا کے دیدار کے لئے آتے

تھے دوسرا سرداب نماز و علمی و فقہی بحث کے لئے حسینیہ جیسا تھا اور تیسرا سرداب مہمانوں کی شب گذاری و غذا خوری کے لئے تھا الغرض شیخ عبدالکریم ایک گرم دن میں مرزا کا مکان ڈھونڈ ھتے ہوتے سامرا پہونچے۔ ملاقات ہونے پر اس بزرگ مرجع تقلید کو استاد کا خط دیا۔ مرزا نے فاضل اردکانی کا محبت بھرا خط پڑھ کر اس جوان طالب علم سے لطف و عنایت کا اظہار کیا اور اپنے احساسات کو شیخ عبدالکریم سے یہ کہہ کر ظاہر کیا کہ "مجھے تم سے محبت ہو گئی"۔

جب شیخ عبدالکریم سامرا پہونچے تو اتفاق سے رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور حوزہ ہائے علمیہ میں تعطیل چل رہی تھی اس لئے میرزای شیرازی نے ایک مہینہ تک انھیں اپنے یہاں مہمان رکھا۔ اس زمانے کو یاد کرتے ہوئے شیخ عبدالکریم ایک دن کہنے لگے "مرزا شیرازی کے مکان کا سرداب ہی میرے رہنے کی جگہ تھی اور مطالعہ کا کمرہ بھی۔ ماہ مبارک رمضان میں سحری تو یہیں کھاتا تھا لیکن افطار کے لئے میرزا کے گھر نہیں پہونچتا تھا بلکہ سخت گرمی کی وجہ سے فرات کی طرف چلا جاتا جی بھر کے پانی پیتا اور تیرتا بھی تھا۔"

حوزہ سامرا کی خوبیاں

حوزہ علمیہ سامرا کی خصوصیات و محاسن سے آگاہی کے لئے ہمیں میرزا بزرگ شیرازی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا باریکی سے جائزہ لینا ہوگا۔ میرزا شیرازی اپنے استاد شیخ مرتضیٰ انصاری کی رحلت کے بعد عالم تشیع کی مرجعیت کی مسند پر ممکن ہوئے ان کا شمار اسلام کی برگزیدہ علمی سیاسی، اجتماعی شخصیات میں ہوتا ہے۔ میرزا اپنی مخصوص فطانت کے

باعث علمی وفقہی باریکیوں کی تہ تک فوراً پہونچ جاتے تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیخ انصاری نے کتاب فرائد الاصول (رسائل) لکھنے کے بعد اس کی تصحیح کا کام اپنے اسی شاگرد فرزانہ کے سپرد کیا اس کے علاوہ میرزا سیاسی و اجتماعی نزاکتوں کو سمجھنے میں بھی ایک خاص نظر کے مالک تھے۔

شیخ انصاری کا زمانہ مسلمانوں کے لئے امن و سکون کا تھا اس لئے حوزہ ہائے علمیہ کی کارکردگی کا محور صرف نشر احکام و تبلیغات دینی کی اشاعت میں محدود تھا لیکن میرزای بزرگ شیرازی کے زمانے میں حالات زمانہ خصوصاً اسلامی ممالک کی کیفیت شدید بحرانی تھی ایک طرف یورپ کے لیڈروں کی حریصانہ نظریں اسلامی ممالک کے معادن و ذخائر پر گڑی ہوئی تھیں جس کے حصول کی خاطر انھوں نے ملک کی مسلم آبادی میں انتشار پھیلانا شروع کر دیا تھا مسلمانوں اور اسلامی مملکتوں پر روزانہ سیکڑوں مصائب و مشکلات کا طومار کھڑا کیا جاتا تا ان کے تمام اموال و جملہ سرمایہ استعماریوں کی غارتگری کی زد میں تھے دوسری طرف آئے دن اسلامی ممالک کے ناکارہ و عیش پسند و خود پرست فرمانروا ان ہتک آمیز معاہدوں پر دستخط کر کے عالم اسلام کو بیچارہ وضعیف بنا رہے تھے اور برطانیہ، فرانس، روس جیسے استعماریت پسند ممالک ان اسلامی ملکوں کی ناتوانی سے مفاد بیجا حاصل کرتے اور اپنے تسلط و دبا و کو بڑھاتے جا رہے تھے ایسے ماحول میں میرزای شیرازی نے بطور مرجع تقلید عصر حوزہ علمیہ کو زمانہ کے متغیر حالات سے ہم آہنگ رکھنے کی بنیاد ڈالی اور تحقیق علمی کے ساتھ ساتھ علمی جہاد کے میدان میں قدم رکھا اور ایسے شاگردوں کی تربیت کی جو سیاسی و اجتماعی مسائل میں بھی عوام کی ہدایت و رہبری کر سکیں ان ہی میں سے ایک حاج شیخ عبدالکریم حائری تھے جن کا نام نامی ناقابل

فراموش ہے۔

حوزہ علمیہ سامرّا میں

شیخ عبدالکریم حوزہ علمیہ سامرّا میں بارہ سال تک تحصیل علم کرتے رہے اس درمیان انھوں نے ہر طرح کی مشقت وزحمت برداشت کی اور ہر طرف سے آنکھیں پھیر کر ساری توجہ علمی ومعنوی کمالات کے حصول میں صرف کردی ان کا ذہن ودماغ دیگر خود ساختہ مردان بزرگ کی طرح دنیاوی مشغولیت ومعاملات کی طرف بالکل نہیں بھٹکا۔ انھوں نے زمانہ طالب علمی میں اپنا فرض صرف علوم اسلامی کی تحصیل وتحقیق ہی جانا اور اسی ہمت وحوصلہ بلند کے ساتھ دن گذارے جو ایک روحانی وعلمی شخصیت کے لئے لازم ہیں اس طرح کہ دیکھنے والا کہے بغیر نہ رہے کہ یہ بناتے ہی گئے ہیں آنے والے زمانہ کے لئے اور ان کا تعلق حال سے نہیں مستقبل سے ہے۔ چنانچہ وہ حوزہ سامرا میں باکمال شائستگی استاد کی کرسی پر رونق افروز ہوتے ہی اپنے اساتذہ کی توجہ خاص کا مرکز بن گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں اجتہاد کی روشنی نے ان کے وجود وپیکر کو منور کر دیا لیکن شیخ عبدالکریم نے میرزای بزرگ شیرازی کی وفات کے بعد نجف کی راہ پکڑی اور پھر وہیں ٹھہر گئے

استادوں کے حضور میں

تحصیل علم کی راہ میں شیخ عبدالکریم کا عزم مصمم، جفاکشی، وانتھک محنت

نے علم کے بحرِ ذخار جیسے اساتذہ کو اپنی طرف کھینچا اور انھوں نے شیخ کی علمی و معنوی شخصیت کو بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا چنانچہ ان کے نقوش عالی بھی سیرت و آثار شیخ میں انمٹ بن گئے۔ حوزہ علمیہ سامرا میں رہ کر بڑے بڑے فقہاء و علماء مثلاً آیۃ اللہ سید محمد فشارکی، آیۃ اللہ محمد تقی شیرازی و آیۃ اللہ شیخ فضل اللہ نوری ایسے حضرات جن میں سے ہر ایک آسمان فقاہت کا ستارہ درخشاں تھا شیخ ان سب سے علم و ایمان کی خوشہ چینی کرتے رہے۔

۱۔ آیۃ اللہ فشارکی

آیۃ اللہ فشارکی اصفہانی حوزہ سامرا کے بزرگ ترین اساتذہ میں سے تھے آپ کبھی بھی شیخ عبد الکریم پر لطف و عنایت میں دریغ نہیں کرتے تھے اسی وجہ سے شیخ کا شمار مرحوم فشارکی کے قلبی ارادتمندوں میں ہوتا اور شیخ اپنے بہت سے کارناموں حتیٰ کہ حوزہ علمیہ قم کی تاسیس کو بھی اپنے استاد مرحوم سے عقیدت کا مرہون جانتے تھے۔

آیۃ اللہ سید محمد فشارکی حوزہ سامرا میں علمی شہرت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے زہد و اخلاص اور روحانی عظمت کے بھی چرچے عام تھے میرزای بزرگ کی وفات کے بعد آیۃ اللہ محمد تقی شیرازی نے ان کے نام پیغام بھیجا اور آیۃ اللہ فشارکی سے درخواست کی کہ وہ مرجعیت قبول کرلیں مگر انھوں نے آیۃ اللہ شیرازی کے مقابل میں آنے سے گریز کیا اور علمائے نجف و سامرا کے اصرار پر مرجعیت کے مقام بلند و پر عظمت کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:
"میں مرجعیت کے لائق نہیں ہوں۔ اسلامی مرجعیت کے لئے عالم فقہ

کے علاوہ دیگر امور بھی لازم ہیں۔ ایک مجتہد کو سیاسی مسائل سے واقف ہونا چاہیئے اور ہر کام میں درست قدم اندازی کی پہچان بھی ضروری ہے اس کام میں بیجا مداخلت مرجعیت کو تباہی کی طرف لے جانا ہوگا۔"

آیۃ اللہ فشارکی نے اپنی پوری عمر علوم دینی کے طلاب کی تربیت کے لئے وقف کر دی۔ وہ ایسے مجتہد آگاہ تھے جو ہر خطرے کے موقع پر مکتب اہل بیت و اسلام کے پشت پناہ تھے ان کی رحلت ۱۳۱۶ھ میں نجف اشرف میں ہوئی۔

۲۔ میرزای دوم

شیخ عبدالکریم کے دیگر اساتذہ میں ایک بزرگ ہستی آیۃ اللہ محمد تقی شیرازی کی تھی جو میرزای دوم کے لقب سے مشہور ہیں ان کا شمار میرزای اول کے نمایاں ترین شاگردوں میں ہوتا تھا آپ کی ولادت ۱۲۷۰ ہجری میں شیراز میں ہوئی اور پرورش و تربیت عارف و زاہد باپ کے دامن میں پائی۔ جوانی میں تحصیل علم کیلئے کربلا گئے پھر سامرا میں ایک طویل مدت تک میرزائی بزرگ کے حلقہ درس میں شریک رہ کر خود بھی علوم اسلامی کی تدریس کے استادوں میں شامل ہو گئے۔

آیۃ اللہ محمد تقی شیرازی سخت بحرانی دور میں عراقی مسلمانوں کی پکار پر پہونچے جبکہ برطانیہ عراق میں اپنے ایک مہرے بنام "سر پرسی کاکس" کو حاکم بنانے کی چال میں مصروف تھا میرزا تقی شیرازی نے اپنے مشہور و دلیرانہ فتویٰ بے نظیر سے اس سازش کو خاک میں ملا دیا اور ایک اسلامی ملک پر غیر مسلم

کی حکومت کو حرام قرار دیا۔ انھوں نے ۱۳۳۸ھ میں اپنا دوسرا فتویٰ جاری کیا جو تاریخ میں "فتویٰ جہاد" کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ عراق کی سرزمین انگریزوں کے غاصبانہ قبضہ میں تھی۔ اس فتویٰ سے عراق کے ہر گوشے سے اسلامی مجاہدین انگریزوں کے خلاف جمع ہو گئے اور اپنی جوانمردی و بہادری سے انھیں عراق سے مار بھگایا۔

استعمار برطانیہ کے خلاف جہاد کے موقع پر آیۃ اللہ شیرازی ایک طرف فقیہ آگاہ اور گہرے سیاستداں تھے اور ساتھ ہی ساتھ معنویت کی روح بلند و کرامت الٰہی سے سرفراز بھی تھے۔ شیخ عبدالکریم نے حکم زیارت عاشورا کا جو واقعہ خود بیان کیا ہے وہ اس واقعیت کا بیان گر ہے۔ شیخ عبدالکریم حائری جنھیں ان کا قریب ترین شاگرد مانا جاتا تھا اس تعلق سے فرماتے ہیں۔

"اس زمانے میں جبکہ میں سامرا میں علوم دینی کی تحصیل میں مشغول تھا۔ اہل سامرا "طاعون کی وبائی بیماری میں گھر گئے اور روزانہ دسیوں لوگ مرنے لگے۔ ایک دن میرے مرحوم استاد فشارکی کے مکان پر چند اہل علم جمع تھے کہ آیۃ اللہ محمد تقی شیرازی بھی تشریف لے آئے اور اس بیماری اور اس کے خطرات پر گفتگو چھڑ گئی میرزا نے تمام حاضرین کی بات سننے کے بعد فرمایا کہ اگر میں ایک مشورہ دوں تو کیا آپ اسے تسلیم کریں گے؟ تمام لوگوں نے کہا کہ ضرور، تو آپ نے فرمایا کہ میرا کہنا یہ ہے کہ "آج سے دس دن تک سامرا کے تمام شیعہ زیارت عاشورا پڑھیں اور اس کا ثواب حضرت حجۃ بن الحسن عج (امام مہدی) کی مادر گرامی حضرت نرگس خاتون کو ہدیہ کریں تاکہ یہ بلا دور ہو" اہل مجلس نے یہ حکم شیعوں تک پہونچایا

اور سبھی زیارت عاشورہ پڑھنے لگے دوسرے ہی دن سے اموات کا سلسلہ بند ہو گیا اور کسی شیعہ کی جان نہیں گئی۔

۳۔ شیخ شہید (فضل اللہ نوری)

مشروطہ وہ پلاؤ ہے جو سفارتخانہ اغیار کی دیگ سے نکالا گیا ہے وہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے کام کا نہیں ہے۔" شیخ فضل اللہ نوری کے آخری ایام کے کلمات سے"

شیخ فضل اللہ نوری شہید راہ مشروطہ مشروعہ ان ہستیوں میں سے تھے جن کے علمی و معنوی کمالات سے بھی شیخ عبدالکریم نے کافی استفادہ کیا۔

شیخ شہید مازندران کے قصبہ نور میں ۱۲۵۸ ہجری کو پیدا ہوئے ابتدائی کتب درسیات اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور پھر آغاز نوجوانی میں تکمیل درس کی غرض سے نجف اشرف کی ہجرت اختیار کر لی۔ مطالب علمی کے بیان میں تو وہ عجیب باریک بینی کے حامل تھے ہی اس کے علاوہ طلبہ کو اپنے عہد کے معاشرہ کی ضروریات و حقائق و معاملات سے آشنا کرنے میں بھی ید طولی رکھتے تھے اور جوان طلبہ کی روح کو ہمیشہ استعمار کے خلاف جہاد کے لئے بیدار کرتے رہتے تھے آپ تحریک مشروطیت کے دوران ایران واپس آگئے اور مسائل سیاسی سے واقفیت کی بناپر تحریک مشروطہ کے پیچھے اغیار کے پوشیدہ ہاتھوں کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور بڑی دلاوری کے ساتھ استعمار کی سازش کا پردہ فاش کر دیا اور رہبر تحریک مشروطہ کی

صورت میں مقابلہ کیا۔ لیکن مشروطہ کے چند مصنوعی دعویداروں کی غداری سے گرفتار کر لئے گئے۔

"بیرم خاں ارمنی" کی فوجی عدالت میں نکی پیشی ہوئی اور آناً فاناً انھیں سولی پر پہونچا دیا گیا۔ ولادت مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی تاریخ تیرہ رجب المرجب کو انھیں پھانسی دیدی گئی۔ شہر مقدس قم میں حضرت معصومہ قم کے بڑے والے صحن میں ان کا مقبرہ آج بھی آزادی کے شیدائیوں کی زیارت گاہ ہے۔

ذمہ داریوں کی کھوج میں

شیخ عبد الکریم کی مہر جرد (یزد) سے پہلی ہجرت دانش وایمان کے آب مصفا کی تلاش میں شروع ہوئی اور حوزۂ علمیہ سامرا تک پہونچنے پر تمام ہوئی ان کی دوسری ہجرت عظیم ذمہ داری کی انجام دہی کی راہ میں تھی جس کا آغاز تو نجف اشرف سے ہوا لیکن انجام نادیدہ ہی رہا۔

حوزہ علمیہ سامرا سے فراغت پاتے ہی خانۂ خدا کی زیارت کے شوق میں سفر حج کو روانہ ہو گئے اور وہاں سے روح لطیف و محکم حوصلہ لے کر نجف اشرف کے ارادے سے چلے۔ لیکن ذمہ داریوں کی فکر نے ان کو دوراہے پر کھڑا کر دیا ایک طرف حوزۂ علمیہ نجف میں علوم دینی کے طلاب، ان کے گرد پروانہ وار گردش کرتے تھے اور ان کا وجود طلبہ کے لئے شمع فروزاں بنا ہوا تھا تو دوسری طرف خود ان کی روح دوسری جگہ مائل پرواز تھی اور ان کے سر میں دوسری ہجرت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ نجف پہونچ کر انھوں نے امیر المومنین

حضرت علیؑ کی بارگاہ میں خود کو وقف کر دیا اور اسی اثناء میں آخوند خراسانی کے درس کی شہرت سنکر اپنی عظمت و درجہ بلند کے باوجود ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور آخوند کے درس سے ایک سال تک استفادہ کرکے اپنے وطن ایران واپس چلے گئے مگر انھیں وہاں کے پر آشوب حالات اور تحریک مشروطہ کی ہلچل کو دیکھ کر اپنے لئے کام کا مناسب موقع نظر نہ آیا اور دوبارہ کربلا واپس آگئے۔

کربلا میں قیام

اس زمانے میں کربلا کا حوزہ علمیہ بہت پرشکوہ و شاندار و مشہور تھا اگرچہ ۱۳۰۲ھ میں آیۃ اللہ فاضل اردکانیؒ کی وفات کے بعد وہ رونق تو نہیں رہی تھی نہ ہی مدرسہ ہائے علمیہ میں قابل توجہ جوش و حرکت تھی بلکہ شیخ کے زمانۂ طالب علمی میں وہاں طلاب کی کثرت تھی اس کا پتہ نہیں تھا۔ بارگاہ مقدس حسینی بھی درس و بحث علمی سے خالی اور پرسکون تھی اور صرف عشاق اہل بیت اور ضریح حسینی کے زائرین کا ہمہمہ سنائی پڑتا تھا۔

شیخ عبدالکریم نے ایران سے واپس آکر حوزہ علمیہ کا یہ افسوس ناک خالی دیکھا تو یہیں ٹھہر گئے۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنا لقب حائری رکھا حوزہ علمیہ کربلا میں قیام کر کے انھوں نے سالہاسے گذشتہ کی عزلت و فراموشی کے غبار کو شہر کے چہرہ سے صاف و دور کر دیا اور کتنی برس کی خاموشی و سکوت کے بعد دوبارہ مدارس میں طلاب کی صدائیں گونجنے لگیں اور امام حسینؑ کا حرم بھی دانشمندوں کی علمی بحث و گفتگو سے خالی نہ رہ گیا بلکہ وہاں کا

منظر تو اور بھی نیارا ہو گیا۔

مدرسہ حسن خاں کے تاریک حجرے جسے دیکھ کر ہر دانش و معارف دوست رنجیدہ ہو جاتا تھا اب معنوی غلغلہ و شور سے پُر اور مدرسہ حسن خاں کا درسی حلقہ حرم امام حسینؑ تک پھیل گیا تھا۔

اس زمانے میں آیۃ اللہ حائری اصول و فقہ کے دو بہترین درس خارج دیتے تھے۔ اور بقیہ اوقات کو علوم دینی کے عام طلاب کے اختیار میں دے رکھا تھا اس کے علاوہ مرجع تقلید شیعہ آیۃ اللہ محمد تقی شیرازی نے اپنے احتیاطی مسائل میں شیخ کی طرف حق رجوع دیا تھا۔ اس طرح ان کے ذمہ لوگوں کے دینی مسائل کا جواب بھی دینا تھا۔

۱۳۳۲ھ ہجری میں شہر کربلا میں برطانوی استعمار کی انتشار پسندی اتنی شدت اختیار کر گئی۔ آشوب و خلجان کا موجب بن گئی۔ عثمانی حکام کربلا والوں سے دیرینہ عداوت و کینہ رکھتے تھے انھوں نے شہر کو خاک و خون میں نہلا دیا دوسری طرف برطانیہ کی استعمار گر حکومت جو فرقوں میں اختلاف پھیلانے میں اہم رول ادا کرتی تھی اپنے تسلط کو بڑھانے کے لئے زمین ہموار کر رہی تھی چنانچہ کربلا جو چند ماہ قبل سکون و راحت کی جگہ تھی امن و سکون و آرام کھو بیٹھی۔ اسی اثناء میں زمانے کے ہاتھوں نے تاریخ کے ورق کو اسطرح پلٹا کہ آیۃ اللہ حائری نے اراک کے لوگوں کی دعوت قبول کر کے سفر ایران کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حلقۂ خوباں میں

اراک (قدیم سلطان آباد) عراق ایران کی شیعہ آبادی والے مشہور شہروں میں سے ایک ہے اس شہر کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ تیرہویں ہجری میں اسے نئے سرے سے بسایا گیا اور نئی تعمیر ہوئی ۱۳۳۲ھ میں جب آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم حائری نے اس شہر میں قدم رکھا اس وقت یہاں حوزہ ہائے درسی یا بڑے مکتب علمی کا پتہ نہیں تھا اور علوم دینی کے مدارس طلبہ سے خالی پڑے ہوتے تھے۔ آیۃ اللہ حائری نے ابتدا میں درس و بحث کی بات نہیں کی صرف مسجد بزرگ (آقا ضیا) میں لوگوں کو نماز جماعت پڑھا کر مسائل و احکام شرعی بتا دیتے تھے مگر چند ہی روز میں ان کی شیریں سخنی و صلابت شخصی نے نوجوانوں کی توجہ کو جذب کرنا شروع کر دیا اور پھر تو یہ ہوا کہ نماز جماعت کے بعد وہ حلقۂ خوباں کے درمیان ہوتے۔ جس میں سے ہر ایک کا چہرہ تحقیقات علمی کا تشنہ دکھائی پڑتا۔ کئی مہینے تک ایسی مجلسیں برپا ہوتی رہیں۔ اس تشنگی اور جوانوں کا شیخ کے گرد اجتماع ہی رفتہ رفتہ ایک ایسے شاندار درس میں بدل گیا جس کی شہرت پورے شہر میں ہوگئی اس کے نتیجے میں مجلس میں حاضرین کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی اور حاج شیخ کا حلقہ درس وسیع تر ہوتا گیا۔

آیۃ اللہ حائری خود ہی دانش و معارف سے عشق حقیقی رکھتے تھے انھوں نے علم کے ان شیدائیوں کے احساسات کو سمجھا اور اسی سال ایک عظیم مجمع علمی

کی تشکیل دینے کے بعد اپنے درس کو مسجد آقا ضیاء سے مدرسہ علمیہ سپہدار لے گئے۔ اور سالہا سال دنیا کی ہاؤ ہو سے دور رہ کر شمع فروزاں کی طرح روشنی پھیلاتے اور خود کو جلاتے رہے اور اپنے افکار عالیہ کے اثبات وتحقیق کے لئے بے حد و حساب زحمت وتکلیف برداشت کرتے رہے اور علوم اسلامی کے میدانمیں بلند قدموں سے چلتے رہے اور برسہا برس کی انتھک محنت سے ان کے مکتب کا شہرہ ایران کے بہت سے شہروں میں ہوگیا۔ زیادہ مدت نہیں گذری کہ اراک کی شناخت ایران کے بزرگ مجمع علمی کے طور پر ہونے لگی اور دور دور سے علم کی پیاس بجھانے کے لئے نوجوان طلبہ یہاں کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں امام خمینی (رہ) بیس سالہ جوان تھے جنھوں نے اراک کی شہرت سنکر اصفہان کو ترک کر دیا اور اس شہر کی طرف دوڑ پڑے اور جب تک یہ حوزہ علمیہ شہر مقدس قم کو منتقل نہیں ہوا آپ اس مرد بزرگ کے حلقہ دانش ومعرفت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آیۃ اللہ حائری نے اس پر شکوہ حوزہ علمیہ کی مسند ریاست کو آٹھ سال تک زینت بخشی اور مرجعیت کی گرانبار ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ جوان طلبہ کی پرورش وتربیت سے بھی غافل نہیں رہے۔ اور اس اثناء میں امام خمینی (رہ) کے علاوہ دیگر صد ہا پاک طینت جوانوں کو جس میں کا ہر ایک اپنے وقت کا مرجع ہوا ہے اپنے محبت وکرم کے دامن میں جگہ دی اور شفیق باپ کی طرح انکی تربیت وپرورش کی۔

شہر فضیلت

قم کا شمار مذہب شیعہ کے بزرگ ترین مذہبی شہروں میں ہوتا ہے

جوایران میں تشیع کے ابتدائی دور میں بھی مرکزیت شیعہ کا حامل تھا اور اب تک وہ دانش وبینش اسلامی وسیاسی واجتماعی امور میں اپنی فکر ورائے کی قطعیت کو محفوظ رکھے ہوتے ہے۔ یہ شہر بھی نجف وکربلا کی طرح ظہور اسلام کے برسوں بعد آباد ہوا اور اشعری اعراب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اسے بسایا ان کا معاملہ یہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے مکتب کے پیرو تھے اور اموی خلفاء سے ان کی ان بن رہتی تھی یہ لوگ ۸۳ھ ہجری میں حکومت وقت کے دباؤ سے تنگ آکر جنگل کی طرف نکل گئے اور مدتوں کی آوارہ گردی کے بعد ایک ندی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا جسے منطقہ "کُم" کہا جاتا تھا یہ گروہ ابتداً میں خیموں میں رہتا تھا دھیرے دھیرے انھوں نے مٹی کے مکانات بنائے اور رفتہ رفتہ یہاں کی آبادی پر رونق ہو گئی بعد ایں یہ قصبہ جو نمک کے صحرا کے قلب میں واقع تھا قمؔ کہلانے لگا۔ وہ شہر جس کی آئمہ معصومین علیہم السلام نے ستائش کی ہے۔ اور اس کی فضیلت کے تعلق سے بہت سی باتیں کہی ہیں۔ یہاں تک کہ زمانہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں نہ تو یہ شہر تھا نہ یہاں لوگوں کی زیادہ آمد ورفت تھی پھر بھی آپ نے یہاں کے باشندوں کو صاحبان فضیلت ورکوع وسجود فرمایا۔ اور ان کے حق میں دعا ومناجات کی۔ حضرت امام صادقؑ نے بھی شہر قم کو مکہ ومدینہ کی صف میں قرار دیا ہے اور اس وقت جبکہ آپ کے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ کی ولادت نہیں ہوئی تھی آپ اپنے اس بیٹے کی بیٹی (معصومہ قم) کی باتیں کرتے اور اس شہر کو ان کا مدفن بتاتے تھے۔

فاطمہ معصومہ (س)

دوسری صدی ہجری کے اواخر میں امام موسیٰ کاظمؑ کی زندان ہارون رشید میں شہادت ہوئی اور دین الٰہی کے معنوی قدروں کی پاسداری ان کے فرزند بزرگوار امام علی بن موسیٰ الرضا کے سپرد ہوئی۔ آنحضرت کو ۲۰۰ھ ہجری میں مجبور کر کے مدینہ سے مامون عباسی کے مرکز خلافت خراسان میں پہونچا دیا گیا۔ اس اثنا میں آپ کی بہن فاطمہ معصومہ (س) اپنے بھائی کے فراق کا تحمل نہ کر سکیں اور اس امید میں خراسان کی طرف روانہ ہو گئیں کہ مدینہ میں دشمنان اہلبیت نے خوف و دہشت کی جو فضا پھیلائی ہے اس سے چھٹکارا مل جائے گا اور بھائی کے زیر سایہ ان مصائب سے دور راحت و آرام کی زندگی نصیب ہوگی۔ حضرت فاطمہ معصومہ (س) کا قافلہ جس میں ان کے قریبی رشتہ دار شامل تھے مشکلات و مشقت و زحمات سے پر منزلیں راستے طے کرتا ہوا ایران پہونچا۔

شہر ساوہ میں داخل ہوتے ہی حضرت فاطمہ اتنی سخت بیمار پڑ گئیں کہ ان میں آگے چلنے کی طاقت نہیں رہ گئی۔ ساتھیوں نے علاج و دوا میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسی حالت میں حضرت معصومہ (س) کو جانے بہچانے شہر قم کا خیال آیا پوچھا کہ یہاں سے قم کتنی دور ہے جواب ملا دس فرسخ۔ اسی وقت قافلہ نے خراسان کے بدلے قم کا رخ کیا اور ایک مدت کے بعد دروازۂ شہر تک پہونچا۔

اس زمانے میں شہر قم ایک قصبہ کی طرح تھا اور رہنے والے زیادہ تر اشعری و آل سعود کے قبیلے والے شیعہ پناہ گزیں تھے۔ یہ سب کافی عرصہ ہوا عرب کی سرزمین کو ترک کر کے شہر قم میں آکر بس گئے تھے جس وقت وہ لوگ امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد کی آمد سے آگاہ ہوئے فوراً دروازۂ شہر کی طرف دوڑ پڑے اور بڑے احترام سے اس بانوی بزرگوار کو لائے اور "موسیٰ بن خزرج اشعری" کے گھر میں اتارا۔ اہل قم کی عید ہو گئی۔ دختر امامؑ کی آمد کو انھوں نے خدا کا خصوصی فضل سمجھا اور گروہ در گروہ ان کے دیدار کو آنے لگے۔ حضرت فاطمہ معصومہ (س) نے اس شہر میں سترہ دن تک بستر بیماری پر گذار کر وادیٔ بقا کی راہ لی جبکہ آپ نے زندگی کی صرف ۲۲ بہاریں ہی دیکھی تھیں۔

اس کے بعد اس بانوی بزرگ کا مرقد بارگاہ محلل و پرشکوہ بنتا گیا حتیٰ کہ علم و ایمان کے مشتاقوں کی زیارت گاہ اور آپ کے فیض وجود سے شہر قم، مکتب تشیع کا مشہور مرکز بن گیا۔

قم کی طرف ائمہؑ کی نظریں

شہر قم کی ایک تابندہ تاریخ ہے خصوصاً حوزہ علمیہ کی تاسیس اور مذہبی افراد کے مرکز کی حیثیت سے۔ پہلے پہل جن اشخاص نے اس شہر میں حوزہ علمیہ کے قیام کی کوشش کی وہ قبیلۂ اشعری کے محدثین و رواۃ تھے جن کا شمار معصوم اماموں کے دوستوں میں ہوتا تھا اس کے بعد شیخ کلینی و شیخ صدوق جیسی بزرگ شخصیتوں کے ظہور نے اور پھر علوی شیعوں کے اس خطہ میں آجانے سے اس کا اثر و مرتبہ بڑھ گیا۔

ظالم عباسیوں کی جابر حکومت کے دباؤ نے شیعوں کو مجبور کیا کہ وہ قم و کاشان جیسے ایران کے مختلف شہروں میں پھیل جائیں اور وہاں مسجد و مدرسہ و کتاب خانہ قائم کر کے تبلیغ و ہدایت کا منصوبہ بنائیں۔ اس کے علاوہ معصوم اماموں کی قم و اہل قم کی طرف توجہ و نظر اور ان روایات نے جوان بزرگوں سے اس موضوع پر وارد ہوئی ہیں۔ شیعوں کو اس شہر میں آباد ہونے کی طرف مائل کیا اور بتدریج علماء و محدثین کے وجود کی برکت اور مدارس، و کتاب خانوں کی تاسیس نے ایک ایسے عظیم حوزہ علمیہ کی تشکیل کر دی جو لوگوں کی گہری توجہ کا سبب بن گیا۔

عصر صفوی

اگرچہ حوزۂ علمیہ قم کی نشو ونما اور عہد شاہان صفوی کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے لیکن حادثات و واقعات سے پُر یہ طویل دقفہ، قم کی درخشاں تاریخ کو ماند نہیں کر سکا بلکہ شہر اپنی تاریخی عظمت کے باعث اسی طرح سے تشیع کا مرکز مانا جاتا رہا اور تشیع کی ثقافت و قدروں کو اسی طرح فروغ حاصل ہوتا رہا چنانچہ صفوی حکومت کے قیام کے بعد اس شہر کے حوزہ ہائے علمیہ کی رونق اور بڑھ گئی۔

یہ وہی زمانہ تھا جبکہ ملاصدرالدین شیرازی فیاض لاہیجی و فیض کاشانی جیسی بزرگ شخصیتیں حوزہ علمیہ قم میں رونق افروز ہوئیں اور برسوں اس شہر کے مدارس میں بحث و علوم اسلامی کی اشاعت میں مصروف رہیں۔ فقہ، تفسیر، کلام، فلسفہ و عرفان کا درس دیا اور پرشکوہ علمی جلسوں کی تشکیل

سے ایک بار پھر ساری دنیا میں حوزہ علمیہ قم کا ڈنکا بجا دیا اور صفوی حاکموں کی مدد سے فیض کاشانی جیسے علماء نے زیادہ سے زیادہ مدارس بنائے جن میں اہم ترین مدرسہ فیضیہ، مدرسہ مہدی قلی خاں و مدرسہ مومنیہ تھا۔

عصر میرزائے قمی

عظیم محقق میرزا ابوالقاسم قمی عالم تشیع کی دیگر اہم علمی و معنوی شخصیتوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی تعلیم مقدس و متبرک مقامات کے حوزہ ہائے علمیہ میں مکمل کی آپ کا شمار آقائی "وحید بہبہانی" کے مخصوص شاگردوں میں ہوتا تھا۔

ایران واپس آنے کے بعد معاصر علماء میں ان کی بزرگی و عظمت کا شہرہ بہت بڑھ گیا تھا۔ آیۃ اللہ فیض کاشانی کے دور کے تقریباً سو برس بعد "میرزای قمی" حوزہ علمیہ قم سے وابستہ ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ علوم اسلامی پر بہت بُرا وقت آپڑا تھا۔ صفوی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور حکومت ایران قاچاریوں کے ہاتھ میں آگئی ان لوگوں نے علوم کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہ دی، فقر و قحط و بدامنی کی یورش نے ان کو صرف اپنی فکر میں مشغول رکھا۔ ایسے خراب حالات میں میرزای قمی نے حوزہ علمیہ قم میں قدم رنجہ فرمایا اور اپنی بلند نظری و تبحر علمی کی بدولت جو انھیں فقہ و اصول میں حاصل تھی، ابتداء ہی سے حوزہ میں اونچا مقام حاصل کرلیا۔

میرزا نے قم میں اپنے قیام کی ساری مدت اس شہر کے علمی مدارس کی تعمیر نو اور درستگی میں گذاری اور بزرگ و باعظمت شاگردوں کی تربیت

کی آپ نے فقہ و اصول میں نہایت بیش قیمت کتابیں تالیف کی خصوصیت سے آپ کی کتاب "قوانین الاصول" نے علم اصول فقہ میں تحول و انقلاب پیدا کر دیا۔ اس طرح انھوں نے ایک بار پھر علوم اسلامی کی اشاعت میں اس شہر کی تاریخی عظمت کو زندہ کر دیا۔

عظمتِ فراموش شدہ

میرزای قمی کا زمانہ اپنی عظمت و شان کے باوجود بہت مختصر و محدود تھا ان کے بعد حوزہ علمیہ قم دوبارہ عالمان دین سے خالی و بے رونق ہو گیا۔ جس کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں شیعی دنیا میں صرف ایک حوزہ علمیہ کی شہرت تھی اور وہ تھا حوزہ علمیہ نجف اشرف جو طویل تاریخی نشیب و فراز جھیلنے کے بعد بھی تشیع کا باشکوہ و بزرگ ترین مرکز علمی مانا جاتا تھا اور اس کے نام کی شہرت نے دوسرے مراکز کو دبا لیا تھا۔ اور دنیا بھر کے طلاب علوم دین اس کی طرف کھنچ کھنچ کر جاتے تھے۔ گرانقدر اساتذہ یہاں تھے اور علوم اسلامی کی تحقیق و بحث میں اس حوزہ کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ اس وجہ سے دوسرے ملکوں کے محصلین عراق ہی کا رخ کرتے اور نجف اشرف پہونچ جاتے اس طرح دوسرے حوزہ ہائے علمی کی عظمت دھندلی پڑ گئی جن میں سے ایک حوزہ علمیہ قم بھی تھا۔

افسوس ناک حالات

آیۃ اللہ حائری نے قبل اس کے کہ انھیں اہل قم دعوت دیں ۱۳۳۲ھ میں مشہدِ مقدس کا سفر کرتے ہوئے ایک بار قم کی زیارت کی تھی اور چند دن روضۂ معصومہ قم کے اطراف میں گذار کر مدارس دینی کی حالت کا قریب سے مشاہدہ کر چکے تھے۔

انھوں نے مدرسہ فیضیہ کو بھی دیکھا جس کے پرشور و آباد کمرے اب محصلین و طلباء سے خالی تھے اور کتابوں کی الماریوں پر گرد فراموشی بیٹھ چکی تھی ایسا لگتا تھا کہ نہ قم کی فضا میں کبھی اسلامی دانشمندوں اور محققین کی صدائیں گونجی تھیں۔ اور نہ فیض کاشانی و صدرالدین شیرازی جیسی عظیم شخصیتوں نے یہاں عرفان و تفسیر و فلسفہ کے عالی قدر جلسے تشکیل دیتے تھے۔

شیخ حائری نے ملاحظہ کیا کہ "دارالشفا" جیسا عالی شان و بزرگ مدرسہ اب فقراء و زائرین کا مسکن بنا ہوا ہے۔ درس و بحث کے کمروں میں کچھ لوگ بس گئے ہیں۔ اور بعض تجار اس سے گودام کا کام لے رہے ہیں اور سب سے زیادہ غمناک حالت ان دنوں کے جوان طلبہ کی تھی جو اساتذہ کامل و متبحر اور نظم و قانون کے فقدان کے باعث افسردہ چہرہ لئے واہی تباہی میں اپنا وقت گذار رہے تھے اور اپنے تئیں ان تاریک و گرد آلود حجروں میں سطحی مباحثہ کر کے دن کاٹ رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ مدارس علمی کے ایسے دلدوز حالات کو دیکھ کر شیخ عبدالکریم نے بڑے رنج و افسردگی کے عالم میں قم کو ترک کیا

اور بارہا انھیں یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ "کیا ہو جاتا، اگر حوزہ علمیہ قم کے معاملات درست و صحیح ہو جاتے"۔

آیۃ اللہ حائری کا قم میں ورود

سن ۱۳۰۱ھ ہجری شمسی (مطابق ۲۲ رجب ۱۳۴۰ھ قمری) کی سردیاں ختم ہو رہی تھیں کہ آیۃ اللہ حائری اور ان کے بڑے صاحبزادے آیۃ اللہ مرتضیٰ حائری نے باہمراہی آیۃ اللہ محمد تقی خوانساری لوگوں کی دعوت کو قبول کرنے کے ارادے سے اراک سے قم کی طرف حرکت کی۔ عید مبعث پیغمبر کے اکرام میں پورے شہر قم میں چراغاں و سجاوٹ تھی ایسے موقع پر عوام نے آیۃ اللہ حائری کا گرمجوشی سے استقبال کرنے کی تیاریاں بھی کر لیں۔

شہر میں جیسے ہی آیۃ اللہ حائری کی تشریف آوری کی خبر اڑی مرجعیت کے شیدائی فوج درفوج دیوانہ وار ان کے خیر مقدم کے لئے شہر سے باہر دوڑ پڑے۔ استقبال کرنے والوں کے مجمع کثیر کے درمیان آیۃ اللہ حائری نے شہر میں قدم رکھا اور قم کے مختلف علاقوں اور محلوں کی مجالس جشن سرور عید مبعث میں شرکت فرمائی۔ حسن اتفاق کہ عید نوروز، نیمہ شعبان، عید مبعث کے ایک دوسرے سے مقارن و متصل ہونے سے تہران اور ایران کے دیگر شہروں سے بہت بڑی جمعیت قم میں اکٹھا ہو گئی تھی۔ واعظین اور وہ افراد جنھوں نے آیۃ اللہ حائری کو سامرا و نجف میں دیکھا تھا اور ان کو پہچانتے تھے انھوں نے منبروں پر مجالس و عظ و خطابت میں لوگوں کو ان کے کمالات علمی و معنوی سے آگاہ کیا اور شہر قم کے عوام کو آیۃ اللہ حائری کا خیال و لحاظ

رکھنے کی نصیحت وتاکید کی۔

تاسیس حوزۂ علمیہ قم

حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ایسی بات تھی جس کا زمزمہ صدیوں پہلے حوزہ علمیہ نجف میں شروع ہوا تھا اور اس کی جڑیں اماماں معصومؑ کی روایات میں پیوست تھیں۔ امام جعفر صادقؑ نے دوسری ہجری قمری میں اپنے اصحاب سے شہر قم پر گفتگو کی تھی اور اس شہر کے مرکز علوم و دانش اسلامی ہونے کے بارے میں فرمایا تھا۔

"جلد ہی کوفہ کا شہر مومنوں سے خالی ہو جائے گا اور وہاں سے علم و دانش کا صفایا ہو جائے گا..... اور ایک ایسے شہر میں علم ظاہر و روشن ہو گا جو معدن علم و فضل ہو گا۔"

یہ خوشخبری و نوید بزرگ اماموں کی زبان سے صدہا سال سے نقل ہوتی رہی ہے۔ اور شیعوں کے ذہن میں جگہ بنا چکی ہے۔*

---

* قم اور اس شہر کی فضیلت کے بارے میں آئمہ معصومین سے تقریباً تمیس روایات وارد ہوئی ہیں جس میں بہت سی روایات کا ذکر قم سے متعلق کتابوں میں آیا ہے تفصیل کے لئے "گنجینہ دانشمندان" ج ۱ ص ۲۷۔ ۳۷ ملاحظہ ہو۔

تاریخ ساز جلسہ

۱۳۰۱ھ شمسی ، اوائل موسم بہار میں آیۃ اللہ حائری کے قیام کے دو ماہ بعد آیۃ اللہ کے گھر پر تہران کے علماء و تجار و ملازمت پیشہ افراد کی طرف سے ایک جلسہ کیا گیا جس میں قم کے بزرگ فقہاء مثل آیۃ اللہ بافقی آیۃ اللہ کبیر آیۃ اللہ فیض نے بھی شرکت کی اس جلسہ میں حوزہ علمیہ قم کی تاسیس کے بارے میں گھنٹوں تبادلہ نظر ہوتا رہا آخر میں یہ طے ہوا کہ اس مسئلہ کو آیۃ اللہ حائری کے حوالے کر دیا جائے۔ تمام علماء و بزرگان ملت نے آیۃ اللہ حائری سے اصرار کیا نیز بہت سے تاجروں و کاسبوں نے مالی ضرورت پوری کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شروع میں آیۃ اللہ حائری کا خیال تھا کہ بزرگان قم خود اس کام کو انجام دیں اور اس امر عظیم سے عہدہ برا ہوں لیکن جب آپ نے دیگر علماء کے بے انتہا اصرار کو دیکھا تو آخر کار اس کام کیلئے خود کو مکلف مان لیا مگر فیصلہ کو یہ کہہ کر آیندہ پہ اٹھا رکھا کہ "میں استخارہ کرونگا کہ آیا قم میں رہنے میں صلاح ہے دیگر یہ کہ حوزہ اراک کے افاضل و محصلین جو میرا انتظار کر رہے ہیں ان کو لکھ دوں کہ قم چلے آئیں؟

چنانچہ دوسری صبح کو نماز کے بعد حرم معصومہ میں دعا و مناجات کے لئے کھڑے ہوئے اور استخارہ فرمایا۔ نقل ہے کہ آیۃ اللہ حائری عموماً قرآن سے استخارہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ٹھیک

سمجھ نہیں پاتا کہ مثلاً آیہ " یُسَبِّحُ مافی السماوات والارض" اگر استخارہ میں آئے تو بہتر ہے یا بد۔ لیکن انھوں نے قم میں ٹھہر جانے کے لئے قرآن مجید سے استخارہ کیا اور خود کو مشیت الٰہی کے حوالے کر دیا کیونکہ بہت خوبصورت و مناسب حال آیت ... " واتونی باھلکم اجمعین ٭ نے ان کے آیندہ منزل و راستے کو متعین کر دیا اور آیۃ اللہ حائری کو مصمم و مضبوط بنا دیا۔ پھر آپ نے حوزہ علمیہ قم کو رونق بخشی اور اپنے شاگردوں کو اراک سے یہاں لے آئے۔

مدارس کی نوسازی

۱۳۴۰ھ قمری مطابق ۱۳۰۱ھ شمسی میں آیۃ اللہ حائری کی قم میں اقامت کے بعد حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی گئی اور آیۃ اللہ حائری کے بزرگانہ قدموں سے یہ حوزہ بھی بتدریج ترقی پذیر ہو گیا اور جہان تشیع کے بزرگ ترین حوزہائے علمیہ کی صف میں آگیا۔[1]

آیۃ اللہ حائری نے حوزہ کی تاسیس کے بعد جو بنیادی اقدام کیا وہ مدارس دینی کی تعمیر اور روشِ تعلیم میں تبدیلی تھی جس سے طلبہ میں انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ انھوں نے اپنے تیس سالہ تجربہ درس و تدریس سے فائدہ اٹھایا اور اس کو روبکار کیا اور وہ بھی ایسے ماہرانہ طریقہ سے

---

[1] آیۃ اللہ موسس ص ۵۸ کریمی جہرمی نقل از یادداشت آیۃ اللہ مرتضیٰ حائری

٭ اس آیہ شریفہ میں حضرت یوسف نے حضرت یعقوب سے بھائیوں کو کنعان سے مصر لے آنے کی سفارش کی ہے۔ سورہ یوسف آیہ ۹۲

کہ حوزۂ علمیہ قم میں حوزہ علمیہ نجف کا درسی نصاب اپنی ہمہ جہتی و وسعت کے ساتھ پوری طرح رائج ہو گیا اور میرزای قمی کے بعد حوزہ علمیہ قم کی جو رقت انگیز ویرانی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ علوم دینی کے طلباء کی طرف توجہ دینے کے ساتھ آیۃ اللہ حائری کی اساسی ترین جدت یہ رہی کہ "ہیئت ممتحنہ" کے انتخاب میں وہ کافی دقت و غور سے کام لیتے تھے۔ یہ ہیئت دروس حوزہ کے امتحان کے لئے بنائی گئی تھی آج دنیا بھر میں یہ روش ایک ضرورت بن گئی ہے۔

طلوع آفتاب

آیۃ اللہ حائری کے ورود سے پہلے مدارس علمیہ قم کی خراب و خستہ حالت دل سوز اہل نظر مثل امام خمینیؒ کی نگاہوں سے پنہاں نہ رہ سکی قم میں شیخ کی آمد کے وقت وہ ایک جوان و پر جوش طالب علم تھے انھوں نے اس زمانے کے حوزہ کے احوال کو بڑے خوبصورت اسلوب میں مخمس کے تین بندوں میں نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

راستی این آیۃ اللہ گر درایں سامان نبودی
کشتی اسلام را از مہر پشتیبان نبودی
دشمنان راگر کہ تیغ حشمتش بر جان نبودی
اسمی از اسلامیان و رسمی از ایمان نبودی
حبذا از یزد گزدی طالع ایں خورشید جان شد

یعنی اگر ایسے حالات میں آیۃ اللہ نہ ہوتے تو کشتی اسلام کا کوئی مہربان

پشت پناہ نہ ہوتا اور اگر دشمنوں پر اس کی حشمت و جلالت کی تلوار نہ ہوتی تو مسلمانوں کا نام و نشان اور ایمان کا پتا نہ ہوتا۔

کیا خوب مبارک ہو یزد کہ یہاں سے خورشید عزیز طلوع ہوا۔

جای دارد گر نهد ره آسمان بر آستانش
لشکر فتح و ظفر گردد همارہ جان فشانش
نیّر اعظم به خدمت آید و هم اختر انش
عبد درگه بندهٔ فرمان شود نُه آسمانش
چون که بر کشتی اسلامی یگانه پشتبان شد

اگر اس کے آستانے پر آسمان سر رکھ دے اور فتح و ظفر کا لشکر اس پر جان چھڑکے اور نیّر اعظم اپنے تمام ستاروں کے ساتھ اس کی خدمت کرے اور نو آسمان اس کے بندہ فرمان اور اس کی درگاہ کے غلام بن جائیں تو مناسب و بجا ہوگا کیونکہ وہ کشتیِ اسلام کا تنہا پشتبان ہے۔

حوزهٔ اسلام کز ظلم ستمگاران زبون بود
پیکرش بی روح در روح اقدسش از تن بردن بود
روحش افسرده ز ظلم ظلم اندیشان دون بود
قلب پیغمبر، دلِ حیدر، ز مظلومیش خون بود
از عطایش باز سوی پیکرش روح رواں شد*

وہ سرزمین اسلام جو ستمگروں کے ظلم سے بدحال تھی اس کی مقدس روح تن سے نکل چکی تھی اس کا پیکر بے روح تھا اس کی روح کمینے ظالموں

---

* دیوان امام خمینی ص ۲۷۸

کے ظلم سے افسردہ تھی اس کی مظلومی سے قلب پیغمبر، ودل حیدر خون ہو چکا تھا لیکن اس آیۃ اللہ کی عطا و کرم سے دوبارہ روح اسلام اپنے پیکر میں دوڑ نے لگی۔

عصر تاسیس حوزہ

حوزہ علمیہ قم کی تشکیل کا زمانہ بالکل وہی تھا جبکہ عفریت استعمار وسیع پیمانے اور نہایت قوی موقف میں اسلام کے مقابل تھا۔ استعمار گروں کی ٹولیاں اسلام و مسلمانوں سے مختلف مواقع پر جنگ وجدال اور سخت طولانی لڑائیاں چھیڑ کر بھی قابل ذکر نتیجہ حاصل نہ کر سکی تھیں لہٰذا اس بار وہ سیاسی و ثقافتی چور دروازے سے اسلامی ممالک میں داخل ہو کر، پہلے سے زیادہ موزیانہ پیکر میں فریب کی نقاب ڈال کر، گھات لگا کر اسلام کی اعلیٰ قدروں کو اپنے خائنانہ ترکیبوں کے ہجوم و حملے کا نشانہ قرار دے چکی تھیں۔ انھوں نے عثمانی سلطنت کو ختم کر کے مسلم عرب ممالک کو اپنے زیر اثر کئی چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرایا اور ترکی میں "جوان ترکوں" کے انقلاب کو برپا کر کے اسلام کو ہر پہلو سے تنہا و بے چارہ کر دیا ملک ایران میں بھی جو تمام اسلامی ملکوں میں شیعہ آبادی والا ملک مانا جاتا تھا وہاں ایک طرف جاسوسی کا سلسلہ قائم کیا دوسری طرف اپنے طرفدار اخبارات کی نشر واشاعت اور ان افراد کی سرپرستی کر کے جو اغیار کی ثقافت کے لوبھی تھے۔ (باصطلاح روشن خیال وروشن فکر) الغرض انھوں نے ان سب حربوں اور اسلحوں سے مسلح ہو کر اسلام سے دست وگریباں ہو نے

کے لئے بنیادی قدم رکھے۔

رضاخاں کی بغاوت

رضاخاں نے ۱۲۹۹ھ شمسی میں بغاوت کرکے ملک کا اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا وہ ایک غصیلا انسان تھا پٹ جاہل۔ دور قزاقی میں وہ "مہتری" کے عہدہ پر تھا۔ مہتر یعنی وہ شخص جو حکومت کے افسروں کو گھوڑا او اونٹ مہیا کرتا تھا۔

رضاخاں نے اپنے بے انتہا غصہ کی وجہ سے استعماری عناصر کی توجہ مبذول کرلی اور ایران میں برطانیہ و روس نے اپنی مستمرانہ موجودگی کو قت اسے ضد استعماری اور حریت پسند تحریکوں کو کچلنے کے لئے منتخب کرلیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ گیلان و مازندران کے علاقے میں مستعمرین کے چنگل سے آزادی حاصل کرنے کے لئے "تحریک جنگل" نے لمبی مدت سے مسلحانہ مقاومت کا بازار گرم کیا ہوا تھا۔ رضاخاں حکومت کی پوری قوت کے ساتھ مبارزین جنگل پر دوڑ پڑا اور اغیار کی مدد سے اس عوامی تحریک کو ختم کر دیا اور آخر میں فداکار و ایثارگر روحانی و تحریک جنگل کے سربراہ میرزا کوچک جنگلی کے سر بریدہ کو غیروں کے حوالے کرکے تمغہ افتخار حاصل کیا اور اس کے بعد ہی وہ سپہ سالار وزیر جنگ وزیراعظم اور بالآخر ۱۳۰۴ شمسی میں ایران جیسے مقتدر ملک کا فرمانبردار بنا دیا گیا۔

روز ہائے سیاہ کا آغاز

ایران میں مغربی کلچر کا نفوذ ہی سیاہ دنوں کا آغاز تھا جس نے ایک قوم کو اسلامی تشخص سے دور کرنے کے لئے قدم جمایا اور زیادہ دن نہیں گذرے کہ ایران جیسے ملک کی تاریخی عظمت واقتدار کو فراموش کیا جانے لگا اور اس طرح بہت جلد انسانی واسلامی قدروں کی بساط اٹھ گئی اور وہ مغربی ثقافت جس کا سلسلہ قاچاری بادشاہوں کے عہد سلطنت میں شروع ہوا تھا رضا خاں کے زمانے میں عملی طور پر سامنے آگیا نیز اس کے مظاہر واثرات بھی آشکار ہو گئے۔

مغربی لباس کا آغاز

مغربی لباس کا سلسلہ رضا خاں کا پہلا انحرافی قدم مانا جاتا ہے جو اس نے ملت ایران کی ثقافت وتمدن کو بدلنے کے لئے اٹھایا۔ ۱۳۴۸ھ ہجری قمری مطابق ۱۳۰۸ھ شمسی میں مخصوص لباس کا جبراً پہننا قانونی حیثیت اختیار کر گیا رضا خاں نے اسے ترقی وتجدد کی نقاب پہن کر پوری سخت مزاجی سے کام لے کر ملک بھر میں رائج کر دیا۔ زیادہ مدت نہیں گذری کہ اس طرح کی استعمار پسند اسکیموں کو رواج دینے سے ایرانی عوام کا اپنے آبا واجداد سے اٹوٹ رشتہ فراموشی کی نذر ہو گیا اور ان کی اسلامی شناخت اور قدیم ملی ثقافت

برباد ہوگئی۔ اور پھر تو دوکانوں کی الماریاں لباسوں سے بھر گئیں۔ رفتہ رفتہ سروں پر پہلوی ٹوپی لگانا ترقی و تمدن کی نشانی بن گیا اور ایران و ایرانی اپنی تمام تاریخی عظمتوں کے ہوتے ہوئے طنز و تمسخر کا نشانہ بن گئے اور وہ مغرب کی نامرغوب مصنوعات کے صارفین کا حصہ مانے جانے لگے نو جوانوں نے کھیت و کارخانے و پیداواری مراکز کی جگہ شراب نوشی کو اپنالیا اور مست و بے خود ہو کر عیاشی و قمار بازی کے اڈوں پر بیٹھنے لگے اور قہوہ خانوں میں بیہودہ باتوں اور حکومت کی سرزہ سرائیوں کی امید میں بیٹھ کر دل بہلانے لگے۔

روحانیت سے پنجہ کشی

بوڑھا برطانوی استعمار روحانیت سے زور آزمائی کا تلخ تجربہ اور پختہ یادداشت رکھتا تھا کیونکہ اسے ٹالبوٹ کے معاہدہ (تمباکو کا ٹھیکہ) میں مرجع وقت حضرت میرزای شیرازی کے اپنے مشہور و تاریخی فتوی "حرمت تمباکو" سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اور اس موقع پر استعمار کا بدنیت منصوبہ برباد ہو گیا تھا ساتھ ہی ایرانی سماج میں روحانیت نے اپنی قدرت و اختیار و اثر کو ثابت کر دیا تھا۔ استعماری طاقتیں سیاسی، اجتماعی، ثقافتی ہر میدان میں روحانیت کی فعّال موجودگی کو اپنے مفاد کے لئے سخت خطرہ تسلیم کرتی تھیں اس لئے انھوں نے روحانیت کو جدا و تنہا کرنے کے لئے بہت سے منصوبے بنائے رضا خاں کے برسر اقتدار آجانے کے بعد روحانیت سے جنگ مغلوبہ کا ساز و سامان پوری طرح سے مہیّا ہو گیا چنانچہ استعمار

سے وابستہ عوامل خصوصًا اس عہد کے اخبارات سے اس لڑائی میں رضا خاں سے ہاتھ ملالیا۔ اور قوم کے اس محترم و دل سوز گروہ کے خلاف اپنی مقابلہ آرائی شروع کردی۔ استعمار کے پروردہ اخبارات جن کے چلانے والے ہی اس جنگ میں مرکزی کردار ادا کر رہے تھے انھوں نے ملک کے مختلف گوشوں سے سانپ چھتریوں (مشروم) کی طرح سر اٹھایا ہوا تھا وہ روحانیت و علماء کے خلاف جو بھی جھوٹ و بیہودہ بات چاہے فورًا شائع کرکے عوام کے حوالے کر دیتے تھے۔ اس بے رحمانہ و بزدلانہ یورش و ہجوم کے ذریعہ روحانیت آگاہ کو روز بروز عوامی دائرہ سے باہر کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے نتیجے میں دن بہ دن اس سرزمین پر اغیار کا تسلط اور نفوذ بڑھنے لگا اور یہ سب اسی منحوس منصوبے کا نتیجہ تھا جو استعمار کا اژدہا اس ملک کے لئے بنا رہا تھا۔ چنانچہ تقریبًا نصف صدی کے عرصہ میں ہی ملک ایران کا ملی و قومی و فرہنگی سرمایہ استعمار اور ان کے غلاموں کے ہاتھوں غارت و تباہ ہو گیا۔

حوزہ ہائے علمیہ کی بربادی کی کاروائی

اغیار کی تہذیب و تمدن کے وہ دیوانے جو ملت ایران کی ترقی و تجدد کو ہر لحاظ سے مغربی ثقافت کے نمونوں کی پیروی میں منحصر جانتے تھے انھوں نے اس راہ کی تمام رکاوٹوں کو دور پھینکنے کے لئے پوری تیاری کے ساتھ ہر قسم کی جنگ پر کمر کس لی اور اس تعلق سے حوزہائے علمیہ جنھیں اسلام حقیقی کے نشر و اشاعت کا مرکز مانا جاتا تھا تاخت و تاراج کئے

جانے لگے۔ استعمار کے کارندے جو اپنے ناپاک منصوبوں کی عمل آوری و نتائج رسی میں حوزہ ہائے علمیہ کے وجود کو سب سے اونچی دیوار خیال کرتے تھے اس کی تباہی و بربادی کے پیچھے پڑ گئے اور بارونق و پرشوکت حوزہ ہائے علمیہ جیسے تبریز، شیراز، مشہد، و اصفہان ایسے مقامات پر پہونچ کر وہاں کی بزرگ علمی و معنوی ہستیوں کو مختلف بہانوں سے قید و جلاوطن کرنا شروع کر دیا اور اس منحوس منصوبہ کو روبہ عمل لانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حوزہ ہائے علمیہ مذکور عملاً معطل ہو کر رہ گئے۔ قم کا حوزہ علمیہ جو چند سال پہلے ہی قائم ہوا تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے وہ علوم اسلامی و کوائف سیاسی کے مرکز ثقل میں بدل گیا تھا۔ اس لئے وہی سب سے زیادہ حکومت کی نظروں میں کھٹکنے لگا۔

بیدار پاسبان

حوزہ علمیہ قم کو دبالینا دشمن دین استعمار کی سیاست کا مرکزی نقطہ تھا اور آیۃ اللہ حائری جو حوزہ علمیہ قم کے موسس و بانی تھے ان کو اس علمی ادارہ کے لئے سب سے زیادہ تردد و ہراس تھا اور وہ ایک بیدار نگہبان کی طرح ہر وقت چوکنے رہتے تھے۔ اور چونکہ آپ رضا خاں کی بے دینی و ضد انسانی طبیعت و سرشت سے آگاہ تھے اس لئے اس کی مہم پسندی کا مقابلہ پورے احتیاط و ہوشیاری کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے کنبہ کی بے احترامی کا بہانہ بنا کر رضا خاں نے قم پر جو دھاوا بولا تھا اس کی داستان آپ کی زیر کی اور محتاط رویّہ کی ایک

عمدہ مثال ہے۔

ایران میں زمانہ قدیم سے اب تک یہ رسم ہے کہ شمسی سال نو کی تحویل کے وقت (۲۱ مارچ) عوام کی اکثریت متبرک مقامات میں رہنے کو فال نیک مانتی ہے۔ ۱۳۰۶ ہجری شمسی میں جو عید نوروز آئی اس دن ماہ رمضان ۱۳۴۶ ہجری کی ۲۷ تاریخ تھی چنانچہ شہر قم کی طرف ملک کے مختلف گوشوں سے زوار چل پڑے تاکہ تحویل آفتاب کا وقت حرم مطہر حضرت معصومہ (س) میں گذاریں نتیجتاً صحن و حرم در واق ہر جگہ اتنا زبردست مجمع تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ان ہی آنے والوں میں پہلوی خاندان بھی تھا جس میں رضا شاہ کی بیوی (محمد رضا کی ماں) بے حجاب و بے پردہ ایوان آئینہ کے بالائی کمرے پر بیٹھی ہوتی تھی اور اس بے ادبی و بے حیائی کے ساتھ کہ ہر طرف سے لوگوں کی صدائے اعتراض بلند ہونے لگی اور سبھوں نے ایسے مقدس مقام پر اس غلط حرکت کو حضرت معصومہ کی بے احترامی تصور کیا مگر کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ آگے قدم بڑھا کر شاہی قافلہ کے سامنے کچھ کہے۔ اس وقت سید ناظم واعظ نے جو حرم کے پہلو والی مسجد میں مشغول وعظ تھے لوگوں کو جھنجھوڑا کہ امر بمعروف و نہی از منکر حکم دیتا ہے کہ لوگ اسے روکیں۔ حاجی شیخ محمد تقی بافقی کو جب یہ خبر ملی تو انھوں نے شاہی کنبہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مسلمان ہو تو جائز نہیں کہ اس مقدس مقام پر اس شکل و صورت کے ساتھ آؤ اور اگر مسلمان نہیں ہو تو تمہیں یہاں آنے کا حق ہی نہیں ہے۔

اس پیغام کا کوئی اثر نہیں ہوا تو حاجی شیخ محمد تقی بہ نفس نفیس حرم میں تشریف لائے اور ان لوگوں سے خواہش ظاہر کی کہ اپنے سر و چہرہ کو ڈھانپ

لیں یا یہاں سے نکل جائیں۔ اسی وقت ایک شور ہوا اور آناً فاناً پہلوی خاندان متولی حرم کے مکان پر پہونچ گیا اور وہاں سے ٹیلیفون کر کے رضا شاہ کو حالات سے مطلع کیا اس نے یہ خبر سنتے ہی قم کا راستہ پکڑا اور حکم دیا کہ میرے پیچھے سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کر دیا جائے۔ چند ساعت بعد وہ وارد قم ہوا اور سیدھا صحن حرم معصومہ میں پہونچ گیا۔ چند طلبا جو وہاں موجود تھے ان پر بید زنی کی اور حرم میں داخل ہو گیا۔ قبر حضرت معصومہ کے گرد چند نفر کو ٹھوکر و ڈنڈے سے مارا اور حاج شیخ محمد تقی کو گرفتار کر کے تہران کی جیل میں بھیج دیا۔ پانچ ماہ گذر گئے تب آیۃ اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی نے ان کی رہائی و آزادی کی درخواست کی۔

اس واقعہ میں رضا خاں کی مہم پسندی اور حضرت آیۃ اللہ حائری کی حکمت عملی کے تعلق سے اخبار "قیام شرق" میں ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

"شاہ اور اس کی فورس کے جانے کے بعد عوام میں اس کا شدید ردعمل ہوا ممکن تھا کہ وہ بلوہ عام اور انقلاب وسیع کی شکل اختیار کر لیتا اور بہت سے افراد کے قتل و خونریزی کی نوبت آجاتی مگر مرحوم شیخ حاج عبدالکریم کی سیاست اور عمل، حسن تدبیر قائدانہ رویہ اور خیر خواہی کی وجہ سے فساد و خونریزی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس مرجع عامل نے قم میں مقام روحانیت کو محفوظ رکھا اور موقع کے مناسب عمل کرتے ہوئے درج ذیل حکم شرعی صادر کیا۔

"شیخ محمد تقی کے اتفاقیہ واقعہ کے بارے میں
گفتگو و بحث شرع انور کے خلاف و حرام ہے"

ادارۂ وعظ و خطابت

ایران میں "اتاترک" کی تقلید کرتے ہوتے ترکی کی طرح "وعظ و خطابت" کا ادارہ قائم کرنا روحانیت اصیل و واقعی سے جنگ کے راستوں میں سے ایک راستہ تھا۔

ترکی میں دین دشمن انقلاب کے بعد وہ علماء و روحانی ہستیاں جنھیں لوگوں کے دینی امور کا مسئول و ذمہ دار سمجھا جاتا تھا اور ان کے بنائے ہوئے ادارے ختم ہو گئے اور لوگوں میں رسمی طور پر جو لوگ "روحانی" کہلائے وہ حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور عوام میں ان کی کوئی وجاہت و عزت نہیں تھی اس کے نتیجے میں لوگوں کے دماغ میں دین و سیاست کی جدائی جگہ پکڑنے لگی اور آخر میں دین کو سیاسی و اجتماعی و ثقافتی میدان سے دور و الگ کر دیا گیا۔

رضا خاں نے جب ترکی کا دورہ کیا اور وہاں بالکل قریب سے مذہب مخالف تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا تو اس نے ایران میں ایسی تمام تبدیلیوں کے لئے آتاترک کے عہد کی ترکی کو نمونہ مان لیا اور پھر اس نے مغرب کے متبذل تمدن کو ایران میں رائج کیا جوتا و ٹوپی کی نقل کے ساتھ اس نے ترکی کے نمونے پر "ادارہ وعظ و خطابت" بھی قائم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ۱۳۱۳ ہجری شمسی میں اجرا شدہ قانون کے مطابق کسی شخص

کو سر پر عمامہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی مگر یہ کہ پہلے وزارت معارف سے اجازت حاصل کرے اور اس کی تصدیق رکھتا ہو یعنی سر پر عمامہ رکھنا حکومتی سند پر موقوف تھا۔ [1]

راز سکوت

اللہ والے بزرگوں و عظیم انسانوں کی زندگی اور حالات سے ان کے نمٹنے کا انداز ہمیشہ پُر اسرار و رموز ہوتا ہے جس کا ادراک ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے ایسا لگتا ہے کہ وہ ایام کے آئینہ میں حوادث و واقعات کے عریاں چہرے دیکھتے ہیں جو عام انسانوں کے لئے تقریباً محال و ناممکن ہوتا ہے۔

۱۳۰۶ ہجری شمسی میں آقا نور اللہ اصفہانی مجلس شورائی ملی (پارلیمنٹ) میں جبری فوجی تربیت کے قانون کی منظوری کے تعاقب میں اصفہان سے قم آتے ہیں اور اس پر اعتراض و احتجاج کے لئے علماء کو قم میں دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ قم میں جمع ہو کر پیکیٹنگ کریں (دھرنا دیں) دیکھتے ہی دیکھتے قم کا شہر رضا خاں سرکار کے خلاف محاذ آرائی کا مرکز بن گیا۔ صحن حرم حضرت معصومہ میں روزانہ ہی معترض لوگوں کا جلسہ ہوتا اور دینی و مذہبی خطیب حکومت وقت پر شدید ترین حملے کرتے تھے۔ کئی مہینہ تک یہ اعتراض و تحصن جاری رہا اور حکومت آقا نور اللہ اصفہانی سے مذاکرہ پر مجبور ہو گئی کیونکہ وہی اس تحریک کے لیڈر تھے فریقین میں بہت لمبی باتیں

---

[1] قیام گوہر شاد ص ۲۷ سینا واحد

ہوتیں۔

یعنی اسی دران آیۃ اللہ حائری جو حوزہ علمیہ قم کے سربراہ اعلیٰ تھے بہت محتاط رہے اور اتنا کہ ان کے رویہ پر سبھی تعجب میں پڑ گئے جب بھی ان سے اس سکوت واحتیاط کے بارے میں لوگ سوال کرتے تو جواب میں آپ صرف ایک مختصر جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ "میں حوزۂ علمیہ کے تحفظ کو اہم جانتا ہوں"۔

رضا خاں کو تار بھیجکر عوام وعلماء کے مطالبات سننے کے لئے بُلا بھیجا تو آیۃ اللہ حائری کا یہ انوکھا رویہ مختلف محافل میں شبہ وسوال کا سبب بن گیا لیکن جب ۱۳۱۴ھ شمسی کو رضا خاں کے حکم سے مسجد گوہر شاد کے لئے توپ کا دہانہ کھول دیا گیا اور خاتمۂ حجاب پر اعتراض کرنے والے ہزاروں افراد کو شہید کر دیا گیا اور حوزہ علمیہ مشہد جس کا شمار اہم ترین حوزات میں ہوتا تھا اسے منہدم کر دیا گیا تب آیۃ اللہ حائری کے اس مختصر جواب کا راز منکشف ہوا کہ "میں حوزہ کے تحفظ کو اہم جانتا ہوں"۔

گفتار امام خمینیؒ

امام خمینیؒ جو عہد جوانی ہی سے استعمار سے جنگ کا ولولہ رکھتے تھے اور جنھوں نے روحانیت کے تعلق سے استعمار کے منحوس منصوبوں کا پتہ چلا لیا تھا چنانچہ ان کی مردم فریبی و ناپی تولی چالوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

"غیر ملکی ماہروں نے ہمارے ملک کا مطالعہ کیا اور ہماری تمام زیر

زمینی دولت کو ہتھالیا۔ انھوں نے پتہ لگالیا کہ کہاں سونا چھپا ہے کہاں تانباں اور کہاں تیل؟ ساتھ ہی ہمارے اپنوں کے حوصلے کو بھی آنکا کہ کیسا ہے اور کتنا ہے؟ تو پایا کہ اس کا یہ نقشہ عمل پذیر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے سامنے ایک دیوار کھڑی ہے جس کا نام اسلام و روحانیت ہے۔ انھوں نے اسلام کی طاقت کو دیکھ لیا کہ وہ یورپ پر غالب آگئی اور یہ بھی جان لیا کہ نہ وہ اسلام حقیقی میں نفوذ پیدا کر سکتے ہیں۔ نہ اس کی آئیڈیالوجی اور فکر میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اسی لئے اول روز سے اس کوشش میں رہے کہ اپنی سیاست کی راہ کے اس کانٹے کو ہٹادیں اور پھر اسلام کو حقیر اور روحانیت کو تباہ کر ڈالیں۔ اپنی شر انگیز و غلط تبلیغات سے انھوں نے یہ کیا بھی اور وہ یوں کہ آج ہماری نظر میں اسلام دو چار مسائل سے زائد نہیں رہ گیا ہے دوسری طرف انھوں نے اس پر کمر کس لی کہ اسلامی آبادی کے سرتاج علماء و فقہائے اسلام کو تہمت اور دوسری ترکیبوں سے عیب دار و خراب کر دیں۔[۱]

کشف حجاب

۔اسلامی ممالک بالخصوص ایران میں۔

آیۃ اللہ حائری کی مرجعیت کے زمانے کے دردناک ترین حادثات میں سے ایک "پردہ کی مخالفت" تھی اس کا چکر استعمار کے تین مزدوروں

---

[۱] صحیفہ نور ج ۱ ص ۵۵ امام خمینیؒ

نے چلایا امان اللہ خاں نے افغانستان میں کمال مصطفےٰ اتاترک نے ترکی میں اور رضا خاں نے ایران میں اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

امان اللہ خاں نے ۱۳۰۶ھ ش میں یورپ کا سفر کیا اور پلٹتے وقت اپنی بے پردہ بیوی کے ساتھ ایران سے گذرا تو رضا خاں نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا لیکن جب وہ افغانستان پہونچا تو عوام بھڑک گئے اور وہ اپنے مذہب مخالف منصوبوں میں کامیاب نہیں ہوا کمال اتاترک، استعمار کی مخالفتِ دین کا دوسرا عنصر تھا ترکی کی حکومت حاصل کرنے کے بعد اس نے اسلام کی بیخ کنی کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور کوئی کسر نہیں چھوڑی مغربی لباس کی پوشش کو جبراً نافذ کیا عربی میں اذان و نماز کو روکا۔ عربی حروف تہجی کو منسوخ کرکے لاطینی حروف میں ترکی تحریر کو رواج دیا۔ قمری تاریخوں کی جگہ عیسوی سن و ماہ رائج کیا۔ ہفتہ کی تعطیل جو جمعہ کو ہوتی تھی اس کو بدل کر اتوار کے دن کر دیا۔ تمام مراکز دینی درسگاہوں کو جنکی تعداد ۴۷۹ کے لگ بھگ تھی اور جس میں اٹھارہ ہزار طلباء پڑھتے تھے اسے یک لخت بند کر دیا۔[1] بالآخر یہ ہوا کہ ترکی جو کسی زمانے میں حکومت اسلامی کا مرکز مانا جاتا تھا ایک مغربی اور ضد مذہبی حکومت میں تبدیل ہو گیا۔

ترکی میں جب مذہب کے خلاف تبدیلیاں عروج پر تھیں اسی زمانے میں رضا خاں ۱۲ خرداد ۱۳۱۳ھ ش کو ترکی کے لئے روانہ ہوا اور

---

[1] جامعہ شناسی غرب گرائی ج ۱ ص ۶۶ علی محمد نقوی

وہاں ایک مہینہ رہ کر اتاترک کے دینی دشمن اقدامات کو نزدیک سے دیکھا اس نے ترکی میں کئی جلسوں میں یہاں کی تبدیلیوں کی بہت تعریف کی اور ایران واپس آکر اس ہمسایہ ملک کو نمونہ بنا کر ایران میں اس کی نقل کرنے پر کمر باندھ لی۔ اس نے قمری تاریخ کو شمسی میں بدلا۔ دینی اداروں کو وزارت معارف واوقاف کے اختیار میں دیدیا۔ ایرانی لباس جو ایران کی ثقافت اور آباؤ اجداد کی نشانی کا مظہر تھا اس پر سخت اعتراض کیا اور پہلے سے بنے بنائے پروگرام کے تحت پہلے مغربی کلاہ کو تجدد و ترقی کی نشانی بتایا پھر عمامہ پوشی جو پیغمبر اکرم کے لباس کا جز تھا، بلکہ نہ صرف دینی بلکہ مملکت ایران کے بزرگوں کا لباس تھا، جیسے بوعلی سینا، ابوریحان بیرونی، خوارزمی، سعدی، حافظ اور سیکڑوں دیگر مامور ایرانی حضرات کا لباس تھا اس کے پہنے پر پابندی لگادی اور اسے ایرانی عوام کی پسماندگی و انجماد کا سبب بتایا یہاں تک کہ سال ۱۳۱۴ ھ ش میں "عریاں کلچر" کی حکومت ہو گئی ایرانی عورت کو حجاب سے عاری کر دیا گیا۔

برے دن

باوجود ان تمام سخت کوشی، صبر و استقامت کے جو آیۃ اللہ حائری نے حوزہ ہائے علمیہ کے بارے میں رضا خاں کی مہم بازیوں کا سامنا کرتے ہوئے دکھائی تھی کشف حجاب کے قضیہ میں تحمل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بے حد رنجیدہ ہو کر اپنی نماز جماعت آیۃ اللہ سید صدرالدین صدر کے حوالے کر دی اور درس کو موقوف کر دیا۔ یہ وہی ایام تھے۔ جب بعض

اہل تہران کا جلسہ آپ کے حضور میں منعقد ہوا جس میں آیۃ اللہ حائری نے لوگوں کو ترغیب دلائی کہ حکومت کے مخالفِ دین منصوبوں کا مقابلہ کریں اور اس وقت جب لوگوں نے کشفِ حجاب (بے پردگی) کے مقابلے میں اپنی شرعی تکلیف جاننا چاہی تو غصہ وغم سے آپ کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں، آپ نے اپنی گردن کی رگوں کی طرف اشارہ کیا اور یوں گویا ہوتے:

"یہ دین کا، ناموس کا مسئلہ ہے چاہئے کہ اس کے لئے جان کی بازی لگا دی جائے" اور اس کے بعد آپ نے رضا خاں کو ٹیلیگراف کے ذریعہ اس کے خلاف شرع اعمال پر اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا چونکہ رضا خاں میں انسانیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس لئے اس نے نامہ بر کو تہران کے جیل میں ڈال دیا اور آپ کے ٹیلیگراف کے جواب میں ایک تحقیر و تہدید آمیز ٹیلیگراف بھیج دیا [1]

آثار و برکات حوزۂ علمیہ قم

حوزہ علمیہ قم اپنی عظمت و شان کے ساتھ ابتدا سے آج تک ستر سال سے زیادہ مدت کے دوران ہر سال مختلف میدانوں میں پہلے سے زیادہ حیرت انگیز ترقی کرتا رہا ہے اور اس کے وجود کی برکت سے دنیا کے بعید ترین گوشوں کے نئے افق کو منور کیا ہے۔ یہ حوزہ اپنی گذشتہ

---

[1] فقہائے نامدار شیعہ ص ۱۳۱ عقیقی بخشائشی

شان وشکوہ کے ساتھ علوم اسلامی کی عظیم ترین یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے شعبۂ اعتقادات، فقہ و حقوق، عرفان فلسفہ، اقتصاد، تفسیر، کلام وغیرہ میں جامعہ اسلامی کی اجتماعی، تہذیبی و فکری ضرورتوں کو پورا کرنے والا رہا ہے اور اپنے دامن میں اُن علوم کے بے شمار مفکرین وعلماء کی پرورش کی ہے۔

تہذیبی وتمدنی جدوجہد

ایران کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایرانیوں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے تبھی سے انھوں نے بلندی فکر ونظر اور تہذیبی ارتقاء میں جی توڑ کوشش کی ہے انھوں نے مختلف شہروں میں بہت زیادہ تعداد میں علمی مدارس قائم کئے جن میں علوم اسلامی کے گوناگوں شعبوں پر تحقیق وتدریس ہوتی رہی۔

ادبیات عربی میں عظیم ادبی ہستیاں جیسے سیبویہ، مزا، ابن سکت ظاہر ہوئیں جنھوں نے صرف ونحو میں نہایت قیمتی ومفید کتابیں تصنیف کی ہیں معانی وبیان میں جرجانی سکاکی وخوارزمی نے گرانقدر آثار جیسے اسرار البلاغہ، مفتاح العلوم یادگاریں چھوڑی ہیں لغت میں جوہری ثعالبی نیشاپوری وفیروزہ آبادی نے صحاح اللغۃ، فقہ اللغۃ وقاموس کو مدوّن کیا اور فقہ میں بھی "کتب اربعہ" کے نام سے معروف کتابیں کافی، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب واستبصار لکھی گئیں جو مذہب تشیع کی کی جاودانی وگراں بہاترین کتابیں مانی جاتی ہیں۔ اسی طرح علوم

قرآن میں عاصم، حمزہ، نافع وکسائی جیسے قاریوں نے ظہور کیا۔[1] اور ان سب کے بعد کی صدیوں میں ایران ہمیشہ ہی مختلف علوم کی ضروریات کو بڑے بڑے دانشمندوں کے ذریعہ پورا کرتا رہا ہے۔ جن میں چند نابغہ شخصیات جیسے فارابی بو علی وخواجہ نصیر الدین طوسی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

لیکن گیارہویں صدی ہجری میں یہ ترقی رک گئی اور اس کے بعد خصوصاً قاچاری حکومت کے آخری دور میں علمی مدارس کی حالت بیحد افسوس ناک ہوگئی۔ شاہان قاچار عیش وعشرت کے دیوانے اپنے فریبی اعمال اور اسلام کی نمائش کر کے صرف حکومت کو مضبوط رکھنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ رہی علم ودانش تو وہ اسے بزرگوں کے لئے مخصوص جانتے تھے، خود انھیں علم سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ البتہ ۱۳۴۰ھ ہجری میں جب حوزہ علمیہ قم کی تشکیل ہوئی تو پھر ایران کے ان تاریخی افتخارات کو نئی زندگی ملی اور علوم اسلامی کے بڑھنے پھیلنے کے دن آئے اور حوزہ علمیہ قم نے ملک کے گوشے گوشے سے اسلامی دانشمندوں اور دین شناس فقیہوں کو اپنے دامن میں جمع کر لیا۔ آج بھی حوزہ علمیہ قم فکر اسلامی کے نشر کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا ہے جہاں چالیس ہزار سے زائد طلبا۔ ایرانی ہیں اور ۵ ہزار دیگر ممالک اسلامی کے طلباء ہیں اور اس طرح وہ ایک عظیم علوم دینی دانشگاہ بن گیا ہے۔ آیۃ اللہ حائری کی حیات کے آخری دور میں حوزہ کی اس ترقی کے اثرات

---

[1] تاریخ علوم اسلامی ص ۱۱۰ جلال الدین ہمائی

ایران کے دوسرے شہروں میں بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔

آیۃ اللہ حائری نے اپنی خاص دور اندیشی و تدبیر سے عالم اسلام کے تہذیبی افلاس کو دریافت کیا اور مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے علمار کو تقویت بخشی اور اس کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں سوچتے رہے کہتے ہیں کہ جس شہر میں بھی بزرگ علمار رہتے تھے وہاں کا سہم امام آپ قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حکم دیدیا تھا کہ شہر کی رقوم شرعی اسی شہر کے امور دینی پر خرچ کی جائے [1] اس وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں ایران کے بہت سے شہروں میں علمی ہلچل بلندی روح و تہذیب جلوہ ساماں ہوگئی۔ حوزہ علمیہ قم کے تربیت یافتگان پورے ملک میں پھیل گئے اور بیسوں کتابخانے اور علوم دینی کے مدارس قائم ہو گئے۔ اس زمانے میں حکومت ایران کے چند ہی مدارس تھے اور وہ بھی شاہزادوں اور حکام کے بچوں کے لئے مخصوص تھے۔ لیکن پورے ملک میں حوزہ علمیہ کا دروازہ ملت کے ہر قبیلہ و فرد کے لئے کھلا ہوا تھا حتی کہ دور دراز علاقوں میں علمائے اسلام کی کوشش و حوصلہ سے علمی آثار منتشر ہوتے اور درسی مکاتب رونق پاتے تھے اور پہاڑوں، جنگلوں کے ہر جھونپڑے و کٹیا سے مسلمان بچوں کی صدائے دل نشین قرآن بلند ہو کر آسمانوں تک جاتی تھی اسی طرح روز بروز ایران میں اسلامی ثقافت خصوصاً شیعہ ثقافت کا زور بڑھتا رہا۔

---

[1] آیۃ اللہ موسس ص ۸۹ کریمی جہرمی

علمی مدارس

حوزہ علمیہ قم کی بیش قیمت برکات و آثار میں سے ایک قم اور ایران کے کئی دیگر شہروں میں دینی مدارس کا قیام و تاسیس ہے۔

حوزہ علمیہ قم کی تاسیس کے بعد بھی بہت سے شہر مدارس علمی سے بے بہرہ تھے اگر کہیں مدرسے تھے تو ان میں طلاب نہیں تھے خود قم میں بھی چند مدارس کی حالت اطمینان بخش نہ تھی لیکن حوزہ علمیہ قم کی تشکیل کی برکت سے بہت مختصر مدت کے اندر اس کی چمک دمک دور دور تک پہونچ گئی دوسرے قصبات کے مدارس کی حالت بھی آیۃ اللہ حائری کے بھیجے ہوتے شاگردوں کی وجہ سے بہتر ہو گئی۔

قم میں قدیم مدارس علمیہ جیسے فیضیہ، دارالشفاء، مومنیہ، خاں کی تجدید و احیاء کے ساتھ ساتھ دیگر بزرگ مدارس بنائے گئے آج ان کی مجموعی تعداد ستر سے زیادہ ہے ؎

؎ حوزہ علمیہ شیعہ ص ۱۳۸ ابطحی

اعتقادات کے محاذ پر

اس محاذ پر حوزہ علمیہ قم کی اہم ترین حرکت مارکسزم کے بڑھتے ہوتے نفوذ کا مقابلہ تھا جس کا اثر ایران و دنیا کے اسلامی معاشرہ پر بہت مفید و قیمتی ہوا۔

ان ہی ایام میں جبکہ حوزہ علمیہ قم کی تشکیل ہو رہی تھی عالم اسلام کو ایک حادثہ بنام "مارکسزم" کا مقابلہ کرنا پڑا جو اصول انسانی و الوہی کی جگہ الحادی و مادی افکار کو دینا چاہتا تھا جو بیمار ذہنوں کے حقائق عالم کی تفسیر والے اصولوں پر قائم تھا۔ اگرچہ حوزہ علمیہ قم اس وقت بالکل نیا تھا پھر بھی اس نے مارکسسٹی افکار کے مقابلے میں کوتاہی نہیں کی اور مضبوط دلائل و عمدہ ترین مباحثہ و مناظرہ کے ذریعہ اس کھوکھلے نظریہ کی طرف جوانوں کے جھکاؤ کا خاتمہ کر دیا۔

حوزہ علمیہ قم کے مفکرین و فلاسفہ توحید کے مشعل بردار اور راہ ہدایت کے رہبر و رہنما بنکر ہاتھوں میں قلم سنبھالے ہوتے دن رات اپنی کوشش میں لگے رہے اور حقائق عالم کی توضیح و تفسیر کر کے دشمنان اسلام کے ہجوم کا سامنا کیا اور سخت معرکہ آرائی جاری رکھی یہاں تک کہ سات دہائیوں کے بعد اس وہابیات نظریہ نے اپنی

درماندگی ظاہر کرتے ہوتے زندگی کی آخری سانس لی۔※

حوزہ، میدان سیاست میں

اس صدی کے نصف آخر میں اسلام سیاسی، اجتماعی میدانوں میں کچھ زیادہ ہی دخیل رہا اور انقلاب اسلامی ایران کے بعد تو مسلم اقوام کی حرکت وجوش سیاسی میدان میں بہت زیادہ ہو گئی اور مجموعی طور پر ہر اسلامی ملت کی اپنے مستقبل میں دلچسپی وآگہی کی سطح اونچی ہو گئی ہے۔ اور وہ سالہاسال سے اسلام حقائق کے بیان کی سمت ایک مضبوط ومنظم وپہلودار حرکت کر رہی ہے۔ جیسے ایک طرف صدیوں تک استعماری طاقتوں نے اپنی غارتگری ولوٹ مار سے تو دوسری طرف چھپے ہوتے مقدس ومنجمد ہاتھوں نے پوشیدہ رکھا جس کا نتیجہ آخری صدی میں یہ نکلا کہ معاشرہ سے احکام الٰہی نے بستر باندھ لیا اور اس کی جگہ پر دین وسیاست کی جدائی کی سازش آدھمکی لیکن جیسے ہی آیۃ اللہ حائری کے مبارک ہاتھوں سے حوزہ علمیہ قم کی بنا پڑی یہ تمام منحوس فتنہ سازیاں، سازشکاریاں نقش بر آب بن گئیں یہ برکت تھی حوزہ علمیہ کی سیاسی واجتماعی محاذ پر

※ سیکڑوں علماتے حوزہ علمیہ قم کے جہاد قلمی میں آیۃ اللہ علامہ سید محمد حسین طباطبائی وشہید مطہری کا نام ناقابل فراموش ہے۔ اول نے چند جلدیں "اصول فلسفہ وروش ریالیسم" لکھی اور دوسرے نے اسکی شرح وتفصیل کی۔

سینہ تان کر کھڑے ہو جانے کی جن کی وجہ سے اسلام کی فراموش شدہ عظمت کی بازیافت ہوئی اور اس کے بعد تو ظلم سے لڑنا اور استعمار کی توسیع پسندی سے جنگ کا ایسا نعرہ تھا جو حوزہ ہائے علمیہ کے تربیت یافتگان کی زبان پر ہمیشہ رہا اور پورے ایران کی فضا اس سے گونجتی رہی۔ اور بالآخر آیۃ اللہ حائری کی رحلت کے ۲۶ سال بعد ۱۳۴۱ھ شمسی روز شہادت امام جعفر صادقؑ مکتب آیۃ اللہ حائری کے ایک شاگرد (امام خمینیؒ) کے ذریعہ انقلاب اسلامی ایران کا شرارہ مدرسہ فیضیہ سے پھوٹا اور اسی مکتب کے شاگردوں نے سولہ سال کے مبارزہ، قید و بند و جلا وطنی شکنجہ و اذیت رسانی کو قبول کر کے ۲۲ بہمن ماہ ۵۷ شمسی کو عالمی سیاست کی بساط پر ”جمہوری اسلامی ایران کو جگہ دلادی اور ملت مسلمان ایران کا امام خمینیؒ کی رہبری میں طوفانی قیام ثمر آور ہوا۔

قلم کی دنیا میں

آیۃ اللہ حائری اگرچہ حوزہ ہائے علمیہ کربلا۔ اراک، قم کی تاسیس و ترقی میں انتھک محنت کرتے رہے لیکن اس کے ساتھ قلمی خدمات بھی کرتے رہے جو مہتم بالشان ہیں ان میں سے چند کتابوں کا نام درج ذیل ہے۔

۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ مسائل نماز میں یہ ایک مفصل کتاب ہے یہ کتاب مولف کی حیات ہی میں مکمل ہوئی آیۃ اللہ اراکی و آیۃ اللہ گلپائگانی کی تنقیح و نظر ثانی کے بعد علوم اسلامی کے محققین کو حاصل ہوئی آج بھی

اس کا شمار فقہ کی اہم کتب میں ہوتا ہے۔ آخوند خراسانی نے اسے ملاحظہ فرمایا اور اس کو سراہا ہے۔ ۱؎ ٭

۲۔ کتاب دُرَرُ الاصول۔ اس کتاب میں آیۃ اللہ سید محمد فشارکی کے درس کی تقریروں کو جمع کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ گرانقدر کتاب "نہایۃ الدرایۃ فی شرح الکفایۃ" کے مولف آیۃ اللہ محمد حسین کمپانی اصفہانی نے اپنے درس خارج کی بحثوں کو اسی کتاب کے نمونے پر مدون کیا ہے اور اس کے مولف کا ذکر "بعض اجلہ" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ کتاب بھی اب مرحوم آیۃ اللہ گلپائیگانی، مرحوم آشتییانی و آیۃ اللہ اراکی جیسے بزرگ علماء کی بیش قیمت حواشی و تعلیقات سے مزین ہو کر علوم اسلامی کے محققین کی توجہ کو جذب کئے ہوتے ہے۔

۳۔ آیۃ اللہ حائری کی دیگر کتابیں ان رسائل کا مجموعہ ہیں جو مختلف ابواب فقہ مثل احکام ارث، احکام ازدواج وطلاق دودھ پلانے کے احکام وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

۱؎ آیۃ اللہ موسس، ص ۱۰۰ اکریمی جہرمی

٭ منقول ہے کہ جس زمانے میں آیۃ اللہ حائری نجف میں تھے ایک دن آخوند خراسانی ان کے گھر آگئے۔ طاق پر رکھی ہوئی آیۃ اللہ حائری کی تحریروں کو پوچھا یہ کیا ہے؟ آیۃ اللہ حائری نے کہا (الصلوۃ) ہے۔ انھوں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا پڑھا اور کہا کہ بہت اچھی تحریر ہے اس طرح اس کتاب کی کافی تعریف و توصیف فرمائی۔

مکتب آیۃ اللہ حائری کے تلامذہ

آیۃ اللہ حائری نے اپنی مصروف زندگی میں اسلام کی عظیم و کثیر اجتماعی وثقافتی خدمات انجام دینے کے علاوہ اپنے مکتب میں بڑے بڑے دانشمندوں اور علماء کی تربیت بھی فرمائی۔ دوران تدریس آپ اپنے شاگردوں پر خصوصی توجہ کرتے تھے اور ہمیشہ بہتر استعداد و صلاحیت والوں کے شوق کو بڑھاتے اور ان کی حمایت کرتے تھے اس طرح وہ عالم اسلام کو بڑی بڑی شخصیتیں پیش کر سکے جن میں امام خمینیؒ کا نام نامی بھی آتا ہے۔

امام خمینی (رہ)

آیۃ اللہ خمینی جن کا شمار مکتب آیۃ اللہ حائری کے نمایاں شاگردوں میں تھا آپ روز ولادت سیدہ فاطمہ زہرا (۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ) میں شہر خمین میں متولد ہوئے ابھی پانچ ماہ کے تھے کہ آپ کے پدر بزرگوار آیۃ اللہ مصطفیٰ موسوی اشرار کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ بچپن کے سخت ایام گذار کر نوجوانی میں دروس ابتدائی اپنے برادر بزرگ آیۃ اللہ سید مرتضیٰ پسندیدہ سے حاصل کئے اور انیس سال کی عمر میں حوزہ علمیہ اراک پہونچ گئے اور حوزہ علمیہ قم کی تاسیس کے بعد وہاں منتقل

ہو گئے۔

جوانی کے ایام ہی میں ان کی ذہانت غیر معمولی اور ارادہ بے حد قوی تھا ان کی شجاعت و شہامت کا چرچا عوام و خواص دونوں میں تھا ۲۷ سال کی عمر میں آپ کا شمار حوزہ علمیہ قم کے نمایاں اساتذہ میں ہونے لگا۔ فقہ و اصول کے علاوہ آپ عرفان فلسفہ کی بھی تدریس کرتے تھے اور ساتھ ہی اسلامی دنیا کے حالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے رضاخاں کے ظلم و جور کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں گرگ استعمار کے ان منصوبوں سے بھی آگاہ تھے۔ جو اس کے بیٹے کے ہاتھوں ایران میں عمل پذیر تھے اس لئے آپ ہمیشہ ہی ان کے دین دشمن پروگراموں کے مقابلے کے لئے خود کو آمادہ رکھتے تھے۔ آج انقلاب اسلامی ایران اپنی تمام عظمت و اقتدار کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اور مغرب کی کھوکھلی طاقت کو مثل مشرق (روس) تاریخ کے کوڑے دان میں سرکا دینے والا ہے اور یہ سب جو ہے اسی ذات بزرگ کے استعمار و ظلم مخالف جذبہ و فکر کا ثمرہ ہے۔

اگرچہ امام خمینیؒ نے اپنی ساری عمر پُر برکت کو ظلم و جور سے مقابلہ کرنے میں صرف کر دیا پھر بھی اپنی یادگار کے طور پر بہت سی اہم کتابیں چھوڑی ہیں جو مختلف مسائل فقہی، اصولی، فلسفی، عرفانی میں ان کی گہری و باریک نگاہی کا پتہ دیتی ہیں جس میں سے کچھ کتابوں کا نام ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ کتاب رسائل ۲۔ کتاب طہارت ۳۔ تہذیب الاصول ۴۔ مکاسب محرمہ ۵۔ کتاب البیع ۶۔ تحریر الوسیلہ ۷۔ حاشیۃ العروۃ الوثقیٰ

۸۔ مناسک حج ۹۔ توضیح المسائل ۱۰۔ کشف الاسرار ۱۱۔ حکومت اسلامی ۱۲۔ مصباح البدایۃ الی الخلافۃ والولایۃ ۱۳۔ حواشی بر فصوص الحکم ۱۴۔ رسالہ ای در طلب وارادہ ۔ ۱۵۔ حواشی بر مفتاح الغیب ۱۶۔ شرح دعائے سحر ماہ رمضان ۱۷۔ ابرار الصلاۃ یا معراج السالکین وصلاۃ العارفین ۔ ۱۸۔ شرح حدیث راس الجالوت ۱۹۔ کتاب گرانقدر چہل حدیث ۲۰۔ آداب الصلاۃ ۲۱۔ شرح حدیث عقل وجہل ۔

۲۔ آیۃ اللہ العظمیٰ اراکی

آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد علی اراکی ۔ آیۃ اللہ حائری کے دیگر نمایاں شاگردوں میں گنے جاتے ہیں آپ ایک روحانی کنبہ میں ۱۳۱۲ ہجری میں شہر اراک میں پیدا ہوتے اور وہیں تربیت پائی گیارہ سال کی عمر میں علم دین کی تحصیل شروع کی ۱۳۳۲ ہجری کے بعد جب اراک میں آیۃ اللہ حائری کے ہاتھوں اراک کا مجمع علمی قائم ہوا تو آپ نے ان کے درس میں شرکت کی اور آٹھ سال تک کسب فیض کرتے رہے اور اس اثنا میں بڑی بڑی علمی ہستیوں جیسے مرحوم آیۃ اللہ سید محمد تقی خوانساری اور مرحوم آیۃ اللہ سید احمد خوانساری کے ساتھ علمی مباحثہ کیا ۔ آیۃ اللہ اراکی اپنے استاد سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور اس رابطہ کے علاوہ جو ایک شاگرد کا استاد سے ہوتا ہے وہ اس مرد الٰہی کے کمالات معنوی کے شیدا تھے ۔ آپ حوزہ علمیہ اراک میں آیۃ اللہ حائری کے دروس میں باقاعدگی سے حاضر ہوتے تھے اور استاد کے

فرمودات کو قلم بند کیا کرتے تھے۔ اس کا ماحصل ایک کتاب علم اصول میں ایک کتاب صلوۃ (نماز) میں ایک رسالہ اجتہاد و تقلید اور ایک رسالہ ولایت فقیہ ہے۔

آیۃ اللہ اراکی علوم اسلامی کی تدریس و تحقیق اور علمائے دین کی تربیت میں مشغولیت کے باوجود معرفت الہی کے طریق و سیر و سلوک معنوی سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور ان حالات میں رہ کر ہمیشہ لوگوں کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کی پناہ گاہ و مامن بنے رہے۔

اگرچہ یہ بزرگ ہمیشہ مرجعیت کو قبول کرنے سے احتراز کرتا رہا لیکن اجتماعی میدان میں ستم زدہ عوام کے ساتھ بے تکان کوشش میں برابر حاضر رہا بلکہ سرگرم وضیاء بار کردار ادا کرتا رہا۔ آپ امام خمینی کی رہبری میں تحریک اسلامی ایران کے آغاز سے امام کے طرفدار اور عوام کے رہنما مانے جانے لگے تھے اور اپنے معنوی کمالات کی کثرت اور سن رسیدگی کے باعث ہمیشہ مورد احترام تھے اور ان کی طرف سے شیخ الفقہاء کا لقب پایا تھا۔ مگر خود مخصوص انکساری و تواضع کے ساتھ امام خمینیؒ کو یا ابن رسول اللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے

امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد آیۃ اللہ العظمیٰ اراکی جہان تشیع کے بزرگ مراجع تقلید کی صف میں آگئے آپ اپنے بابرکت وجود کے ساتھ ہمیشہ انقلاب اور حکومت جمہوری اسلامی کے رہبروں کی تائید فرماتے تھے۔

۳۔ آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی

مرحوم آیۃ اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشی نجفی عالم تشیع کی کم مثال شخصیتوں میں سے ایک تھے جنھوں نے اپنی مبارک زندگی علم واسلام کی بیش قیمت خدمات میں صرف کر دی یہ باعظمت ہستی ۲۰، ماہ صفر ۱۳۱۸ھ کو شہر مقدس نجف میں ایک باشرف خاندان میں متولد ہوئی اور تربیت پائی اور مقامات مقدسہ کے حوزہ ہائے علمیہ میں علوم اسلامی کی تحصیل میں مشغول ہوگئی۔ آیۃ اللہ مرعشی نجفی نے ۱۳۴۲ھ میں ایران کا سفر کیا اور تہران میں ایک سال قیام کر کے قم پہونچے اور آیۃ اللہ حائری کے درس میں شریک ہوگئے۔ آیۃ اللہ حائری کے درس میں شرکت کے وقت بھی ان کا شمار حوزۂ جدید قم کے فقیہ، اصول رجال کے بزرگ اساتذہ میں ہوتا تھا۔ آیۃ اللہ مرعشی حضرت آیۃ اللہ بروجردی کی وفات کے بعد مراجع بزرگ وصاحب فتویٰ میں سے ہوگئے۔ ان بزرگان دین میں آپ کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ جنھوں نے حوزہ علمیہ قم میں اضافہ وابتکار اور جدت پیدا کی ہے۔ آپ نے صدہا آزاد دانشمندوں کی تربیت کے ساتھ علوم دین کے چار مدرسے بھی اپنی یادگار چھوڑے ہیں جن کے نام مومنیہ، مہدیہ، شہابیہ، مدرسہ آیۃ اللہ مرعشی ہیں۔

مرحوم آیۃ اللہ مرعشی نجفی کی ثقافتی خدمات میں وہ عظیم کتابخانہ ہے جو آپ نے قم میں بنایا جس ہزاروں مطبوعہ وقلمی کتابیں ہیں اور اس کا شمار اسلامی ممالک کے کم مثال

کتاب خانوں میں ہوتا ہے۔

۴۔ آیۃ اللہ العظمیٰ گلپائگانی

مرحوم آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد رضا گلپائگانی۔ آیۃ اللہ حائری کے شاگردان رشید اور مخلص چاہنے والوں میں سے تھے ان کی ولادت ۱۳۱۶ھ میں گوگد گلپائگان نامی دیہات میں ایک علمی گھرانہ میں ہوئی تین سال کی عمر میں باپ و ماں کا انتقال ہو جانے سے دنیا کی اذیتوں سے بچپن ہی میں مانوس ہو گئے۔

سولہ سال کی عمر میں اراک ہجرت کر گئے۔ اور جب تک اراک کا حوزہ قم منتقل نہیں ہوا۔ آیۃ اللہ حائری کے درس میں شریک رہے آپ ان کے خوش استعداد شاگردوں میں گنے جاتے تھے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ حوزہ میں مختلف علوم کا درس بھی دیتے تھے۔ ان کی ذکاوت و باریک نگاہی کا شہرہ اسی وقت سے پھیلنے لگا تھا۔

آیۃ اللہ بروجردی کی رحلت کے بعد آیۃ اللہ گلپائگانی بھی مراجع و صاحبان فتویٰ علما میں ہو گئے اور انقلاب اسلامی کے آغاز ہی سے امام خمینی کے ساتھ حکومت طاغوت سے برسرپیکار رہے۔ آپ نے اپنی بابرکت عمر میں آئین اسلام کی تبلیغ کے لئے ہزاروں علما۔ دین کی تربیت کی اور اپنی یادگار کے طور پر بہت سے قلمی نوشتے چھوڑے شہر قم میں ادارہ " دار القرآن الکریم" اور "المعجم فقہی" کا کمپوٹری سینٹر بڑی محنت و زحمت اٹھا کر قائم کیا اہل تحقیق کے لئے بہت بڑا کتابخانہ

بھی بنایا اور ملک سے باہر بھی "مجمع اسلامی علمی لندن" کی تشکیل کی۔
اس عالم ربّانی نے بے حساب علمی وثقافتی ودینی کاموں کے علاوہ قم میں ایک بڑا اسپتال بھی بنوایا جس وقت قم میں حفظان صحت کے مراکز و دواخانے نہیں تھے اس اسپتال نے محروم عوام کو اپنی خدمات پیش کیں۔ آج بھی یہ اسپتال جدید آلات و مشین کے ساتھ اپنا فرض بخوبی انجام دے رہا ہے۔
آیۃ اللہ العظمیٰ گلپائگانی نے ۹۸ سال کی عمر پاکر ۱۸ / آذر ۱۳۷۲ھ شمسی میں جوار رحمت الٰہی میں سکونت اختیار کرلی اور لوگوں کی آہ و آنسوؤں کے درمیان پرشکوہ انداز سے جنازہ اٹھا اور حرم معصومہ قم میں اپنے استاد آیۃ اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم حائری کے مزار کے پاس مسجد بالا سر حضرت معصومہ میں دفن ہوئے۔

دوسرے تلامذہ وشاگرد *

ان ہمیشہ چمکنے والے ستاروں کے علاوہ آیۃ اللہ حائری نے اپنے مکتب میں بہت سے شاگردوں کی تربیت کی جن میں سے ہر ایک کی سوانعمری بیان کرنا راقم کے حوصلہ سے باہر ہے یہاں ہم صرف ان شاگردوں کے نام لکھ رہے ہیں جو درجہ اجتہاد تک پہونچے اور اسلامی دنیا کی بہت خدمت میں زندگی گذاری۔

* نقل از گنجینۂ دانشمندان، ج ۱، ص ۲۹۰۔

اسم و شہرت	محل سکونت
۱۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید میرزا آقای ترابی	دامغان
۲۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید ابراہیم علوی خوئی	تہران
۳۔ مرحوم آقا شیخ ابراہیم ریاضی	نجف آباد
۴۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید ابوالحسن رفیعی قزوینی	تہران
۵۔ مرحوم حاج سید ابوالحسن اسلامبولچی	تہران
۶۔ مرحوم حاج سید ابوالحسن روحانی قمی	نجف
۷۔ مرحوم حاج میرزا ابوالفضل خراسانی	تہران
۸۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا ابوالفضل زاہدی	قم
۹۔ مرحوم حاج سید ابوالقاسم فقیہ ارسنجانی	شیراز
۱۰۔ مرحوم شیخ ابوالقاسم اصفہانی	قم
۱۱۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ اسماعیل جاپلقی	تہران
۱۲۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ اسماعیل بہاری	تہران
۱۳۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید احمد خوانساری	تہران
۱۴۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید احمد زنجانی	قم
۱۵۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید احمد لواسانی	تہران
۱۶۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج آقا بزرگ	گنگاور
۱۷۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید جعفر شاہرودی	تہران
۱۸۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج آقا حسن فرید محسنی	قم
۱۹۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج آقا میرزا حسن یزدی	نجف

۲۰۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا حسن معینی	شہرری
۲۱۔ حاج سید حسن اصفہانی	تہران
۲۲۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید حیدر طاہری	خرم آباد
۲۳۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید ابوتراب طاہری	خرم آباد
۲۴۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا خلیل کمرہ ای	تہران
۲۵۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ راضی تبریزی	تہران
۲۶۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج آقا رضا زنجانی	تہران
۲۷۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج آقا رضا مدنی کاشانی	تہران
۲۸۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج روح اللہ کمالوند	خرم آباد
۲۹۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج روح اللہ خاتمی	اردکان
۳۰۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج ریحان اللہ گلپائگانی	تہران
۳۱۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج سید سجاد علوی	گرگان
۳۲۔ مرحوم حاج میرزا شہاب ہمدانی	ملایر
۳۳۔ مرحوم حاج سید شمس الدین ابہری	تہران
۳۴۔ مرحوم آیۃ اللہ صدر الدین صدر	قم
۳۵۔ مرحوم آقا ضیاء الدین خوانساری	قم
۳۶۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ عباس علی شاہرودی	قم
۳۷۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ عباس تہرانی	قم
۳۸۔ مرحوم آیۃ اللہ آقا شیخ عباس حائری	تہران
۳۹۔ مرحوم آیۃ اللہ آقا شیخ عباس انصاری ہمدانی	تہران
۴۰۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا عبد اللہ تہرانی	تہران

۴۱۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا عبداللہ مجتہدی	تبریز
۴۲۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا عبداللہ سرابی	قم
۴۳۔ مرحوم حاج میرزا عبدالحسین صاحب الداری	قم
۴۴۔ مرحوم حاج میرزا عبدالعلی تہرانی	تہران
۴۵۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا سید علی یثربی	کاشان
۴۶۔ مرحوم آیۃ اللہ آقای آخوند ملا علی ہمدانی	ہمدان
۴۷۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج علی محمد مزلفانی	کرمان
۴۸۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ علی اصغر صالحی	کرمان
۴۹۔ مرحوم آیۃ اللہ حاج میرزا علی مہرابی	تہران
۵۰۔ آیۃ اللہ آقای فضل علی	قم
۵۱۔ آیۃ اللہ فاضل لنکرانی	تہران
۵۲۔ آیۃ اللہ حاج میرزا فخرالدین جزائری	تہران
۵۳۔ آیۃ اللہ آقا سید کاظم گلپایگانی	قم
۵۴۔ آیۃ اللہ حاج آقا مجتبیٰ عراقی	قم
۵۵۔ آیۃ اللہ آقا سید محمد حجت	قم
۵۶۔ آیۃ اللہ آقا سید محمد داماد یزدی	ہمدان
۵۷۔ آیۃ اللہ میرزا محمد ہمدانی	ہمدان
۵۸۔ آقا شیخ محمد غزوی	قم
۵۹۔ آیۃ اللہ سید محمد صدر العلماء	ــــ
۶۰۔ آیۃ اللہ حاج میرزا محمد ثقفی	تہران
۶۱۔ آیۃ اللہ میرزا محمد ثابتی	ہمدان

۶۲۔	آیۃ اللہ حاج میرزا محمد باقر مہاجرانی	ہمدان
۶۳۔	میرزا محمد تقی اشراقی	قم
۶۴۔	آیۃ اللہ حاج سید محمد تقی خوانساری	قم
۶۵۔	آیۃ اللہ حاج سید محمد جلالی	مشہد
۶۶۔	آیۃ اللہ حاج سید محمد حسن یزدی	قم
۶۷۔	آیۃ اللہ حاج شیخ محمد حسن فرید گلپائگانی	تہران
۶۸۔	آیۃ اللہ حاج شیخ محمد حسین شریعتمدار	ساوہ
۶۹۔	آیۃ اللہ حاج شیخ محمد رضا طبسی	قم
۷۰۔	آیۃ اللہ حاج سید محمود روحانی	قم
۷۱۔	آیۃ اللہ حاج میرزا مصطفٰے صادق	قم
۷۲۔	آیۃ اللہ حاج سید مصطفٰے خوانساری	قم
۷۳۔	مرحوم حاج سید محی الدین طالقانی	تہران
۷۴۔	حاج سید محمد رضا طالقانی	قم
۷۵۔	حاج میرزا مہدی بروجردی	قم
۷۶۔	آیۃ اللہ حاج سید مہدی کشفی	تہران
۷۷۔	آیۃ اللہ حاج سید مہدی انجمی	تہران
۷۸۔	آیۃ اللہ شیخ مہدی کوچہ حرمی	قم
۷۹۔	آیۃ اللہ حاج سید ہادی روحانی	رودسر
۸۰۔	آیۃ اللہ میرزا ہاشم آملی	قم
۸۱۔	حاج میرزا ہدایت اللہ وحید	تہران

عوامی خدمات

آیۃ اللہ حائری ان لوگوں میں سے نہ تھے کہ اجتہاد کی مسند پر بیٹھکر دینی امور کی مصروفیت میں معاشرے کی اجتماعی و اقتصادی مشکلات کو بھول جائیں۔ نہیں نہیں بلکہ جب وہ مسند مرجعیت پر اپنے عہد کے مضبوط ترین ہستیوں میں گنے جاتے تھے اس وقت بھی لوگوں کی ضروریات و مشکلات اور محروموں کی حاجتوں کے سامنے صبر و تحمل کو ہاتھ سے دے بیٹھتے تھے اس لئے اس پر آشوب دور میں حوزۂ علمیہ کی سخت ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنا اصلی فریضہ لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا جانتے تھے۔ بہت سے واقعات میں ایک اذیت ناک درد شن واقعہ قم کے سیلاب کا ہے جس میں اس مرجع عالی قدر نے عوام اور معاشرہ کی بہبودی کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔

یہ واقعہ ۱۳۱۲ھ شمسی کا ہے جبکہ گلپائگان کی طرف سے عظیم سیلاب آیا اور قم کے دریا تک پہونچتے پہونچتے ارد گرد کے بہت سے غریب لوگوں کے مکانات کو بہالے گیا اور کتنے ہی افراد کو بے خانماں و آوارہ بنا دیا لیکن رنجیدہ عوام میں اس مرد الٰہی و معنوی کا وجود نہ صرف تسلی بخش تھا بلکہ موجب نزول برکات خداوندی بھی ہوا آیۃ اللہ حائری نے ایران کے تمام شہروں میں پیغام روانہ کر کے لوگوں کو اپنے مصیبت زدہ ہم وطنوں کی مدد کے لئے ابھارا اور آناً فاناً میں شہر

قم میں لوگوں کی امداد کا آنا شروع ہوگیا۔

آپ نے اسی زمانہ میں ایک وسیع قطعہ زمین "خاک فرج" کے علاقے میں خریدی جو آستانہ حضرت فاطمہ معصومہ کے متعلق تھا اور مختلف طبقات کی مدد سے آورگان کی سکونت کے لئے بہت سے مکانات بنوائے جس میں اصول وقواعد ہنری کا خاص لحاظ کیا گیا تھا اب بھی یہ خطہ کوچہ رہبر کے نام سے مشہور ہے۔

فقیروں کا ملیحا

ہر معاشرہ وسماج میں فقر وتنگدستی بہت سے گناہوں اور جرائم کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے اس اجتماعی خرابی کو جڑ سے نکال پھینکنے کے لئے تمام شعبہ حیات میں روح عدالت کے اجرا کو اس کا حل جانتے ہوئے فقر وگرسنگی کی مصیبت سے نجات کے لئے ایک دوسرے کی رعایت واحترام کی سفارش کی ہے۔

آیۃ اللہ حائری اس زمانے میں زندگی بسر کر رہے تھے جبکہ ظالم حکومت کے باعث معاشرہ میں عدالت اجتماعی کبھی نہ پوری ہونے والی آرزو بن چکی تھی۔ شہر کے کوچہ وبازار اور ہر گذرگاہ میں خصوصاً حرم حضرت معصومہ(س) کے اطراف میں فقیروں، محتاجوں اور مصیبت زدوں کے وجود نے اس شہر مقدس کے چہرہ کو مکدر کر دیا تھا۔ آیۃ اللہ حائری سے یہ منظر دیکھا نہ جاتا تھا۔ اور وہ رنجیدہ خاطر ہو کر اس کا علاج ڈھونڈھا کرتے تھے۔ آخر کار آپ نے ایک محلہ بنام "خانہ فقرا" مخصوص کر کے شہر کے تمام فقیروں

وغریبوں کو وہاں جمع کردیا اور پھر مخیر لوگوں اور نیکو کاروں کی مالی مدد وصدقات سے ان کی ضروریات پوری کیئے جانے کا راستہ بنادیا۔

شفاخانہ کی تعمیر

انسانی معاشرہ کی ضروریات میں سے ایک حفظ صحت ودوا کے مرکز کا ہونا ہے اگرچہ اسلام نے ہر دین سے زیادہ روح وجسم کی سلامتی کی تاکید کی ہے اور سالم جسم ہی میں روح سالم کو مانا ہے اس لیئے وہ ایسے اہم امر کے تحقیق کے لیئے تربیت روح واخلاق کے ساتھ ساتھ جسمانی سلامتی کے لیئے دوا وصحت کے مراکز کو بھی ضروری جانتا ہے۔

ابتدائے ظہور اسلام سے حفظان صحت کے معاملے میں دانشمندان وحکمائے اسلام کی توجہ وسرگرمی بھی اس امر حیاتی پر اسلام کی توجہ کی گواہ ہے۔ ملک کے حاکمان خصوصًا شاہان قاچار کی بے توجہی سے دیگر ایرانی شہروں کی طرح قم کے باشندے بھی ایسے مراکز سے محروم تھے۔ یہاں تک کہ یہ مشکل بھی آیۃ اللہ حائری کے توانا ہاتھوں سے دور ہوگئی۔ قم کے مومنین میں سے ایک ہستی بنام سید محمد فاطمی جن کی جائداد کا تنہا وارث دنیا سے اٹھ گیا تھا۔ انھوں نے اپنا سب کچھ آیۃ اللہ حائری کو دے ڈالا[۱] اور اس کے بعد آیۃ اللہ حائری

---

[۱] فصلنامہ یاد، ش ۱۷، آیۃ اللہ حائری

کی تجویز و مدد سے "بیمارستان فاطمی" (فاطمی اسپتال) کی بنیاد ڈال دی گئی اس کے بعد ایک اور مومن بنام "سہام الدولہ" کی میراث سے آیۃ اللہ حائری نے اس اسپتال کی توسیع کی جس نے قم کے عوام کے عظیم خلا کو پُر کر دیا۔

قبرستان کی منتقلی

آیۃ اللہ حائری کی دیگر خدمات میں قبرستان قم کو شہر سے باہر منتقل کرنا بھی ہے۔ اس زمانے میں قم کا بڑا قبرستان حرم فاطمہ معصومہ (س) کے شمالی دروازہ کے جوار میں تھا جو قدیم شہر کی بستی کی بدنمائی کا سبب تھا وہ شہر جو اہل بیت کے زائرین کی مہمانی اور طلاب علوم دینی کی بحث و درس کا مقام مانا جاتا تھا۔ ایک بڑے قبرستان جیسا لگتا تھا۔ اور یہ بات علماء بزرگ کے مقابر کے لئے ہتک کا باعث بھی تھی اس لئے آیۃ اللہ حائری نے اس معاملے میں بھی گرانقدر قدم اٹھایا اور دریا کے اس پار جسے اس زمانے میں خارج از شہر سمجھا جاتا تھا ایک وسیع و عریض خطہ زمین خرید کر بہ عنوان قبرستان عمومی وقف کر دیا یہ قدیم قبرستان آج بھی قبرستان قم نو کے نام سے معروف ہے۔

اخلاق پسندیدہ

اگرچہ آیۃ اللہ حائری طلاب کی تربیت و پرورش کی راہ میں شب

دروز کوشاں رہتے تھے۔ مگر انھوں نے کبھی بھی ان کے تہذیب نفس سے غفلت نہیں برتی اور ہمیشہ ان کے روحی کمالات کو بلند کرنے کی تدبیر کرتے رہے۔ باوجودیکہ آپ مرجعیت کی کرسی پر متمکن اور خاص احترام وعزت کے حامل تھے۔ اور ان کے گھر میں ملک کے دینی وسیاسی بزرگوں کی آمد ورفت رہتی تھی پھر بھی وہ اپنے وقار وسادگی کا تحفظ کرتے اور اپنی زاہدانہ زندگی کو تڑاق پڑاق میں آلودہ نہیں کیا۔ زمانہ طالب علمی میں آپ دو وقت سے زیادہ غذا نہیں لیتے تھے اور یہ پسندیدہ عادت آپ نے آخر عمر تک ترک نہیں کی۔ بولتے کم تھے اور لوگوں سے ان کا برتاؤ بہت نرمی ومہربانی کا ہوتا تھا۔ جوان طلباء کے ساتھ سلوک میں ان کی حالت وجذبات کی رعایت کرتے تھے اور ان کے سامنے شفیق باپ کی طرح بشاش چہرہ ومتبسم انداز میں آتے تھے۔

ترغیب وتشویق طلاب

کبھی کبھی آیۃ اللہ حائری علی الصباح مدارس کی طرف چل پڑتے تھے تاکہ ذہین ومحنتی وسحر خیز طلاب کی استعداد کو معلوم کریں ساتھ ہی وہ ان کی اقتصادی ومالی مشکلات کو دور کرنے کی فکر میں بھی گم رہتے تھے۔ اس تعلق سے کئی بار ایسا ہوا کہ انھوں نے حرم کے اردگرد کی دوکانوں پر جاکر قرض جنس لینے والے طلاب کا قرض ادا کیا۔

انھوں نے محنتی طلاب کی استعداد کو بڑھانے کے لئے حوزہ علمیہ

یں امتحانات جاری کیے۔ جس کے نتیجے کے مطابق ممتاز و نمایاں طلاب کو بیش قیمت انعامات دیتے جاتے تھے۔

زہد کا عالم

آیۃ اللہ حائری کی وہ روشن و آشکار خصوصیات جس نے تمام دیگر خصوصیات کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ زہد و سادگی و پاک زندگی ہے جو قبل و بعد مرجعیت کسی وقت ان سے جدا نہ ہوتی تھی کہ آخر عمر تک ایک حال پر قائم رہے۔ ان کا جسمانی پیکر زہد سے بنا تھا وہ ہمیشہ خدا کا اس بات پر خصوصی شکر ادا کرتے تھے کہ جو بھی معمولی شے انکے قبضہ میں ہوتی اسے فقراء کو دے سکتے تھے ایک دن کسی بزرگ نے آپ کے فرزند کو قیمتی عبا ہدیہ کے طور پر دی آیۃ اللہ حائری کو جب معلوم ہوا تو بیٹے سے فرمایا کہ "یہ عبا آپ کے لئے زائد ہے" اور پھر انھیں آمادہ کیا کہ اسے فروخت کر کے کم دام کی تین عبائیں ایک اپنے لئے اور دو طلباء کے لئے خرید لیں۔

آپ کے زہد کا درجہ بتانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جب بھی امام خمینی "رضا خاں" کے بیٹے کی بیہودہ گوئی کا جواب دیتے تو آیۃ اللہ حائری کے زہد کی مثال لاتے اور فرماتے کہ جناب ہم مفت خور ہیں! ہم کہ جب ہمارے مرحوم حاج شیخ عبد الکریم حائری نے رحلت کی تو اس رات ان کے بچوں کے پاس کھانا نہیں تھا۔ ہم مفت خور ہیں؟ یا وہ لوگ جنھوں نے غیر ملکی بینکوں کے پٹارے بھر رکھے ہیں اور پھر بھی ملک

سے دست بردار نہیں ہوتے کیا یہ لوگ مفت خور نہیں ہیں؟ ؎

دوسری جگہ حضرت امام (رہ) اپنے استاد معظم کی زاہدہ زندگی کی خصوصیت یوں بیان کرتے ہیں" جناب استاد معظم وفقیہ مکرم حاج شیخ عبد الکریم یزدی حائری جنھوں نے ۱۳۰۴ھ شمسی سے ۱۳۱۵ھ ش تک شیعوں کی مرجعیت کاملہ و ریاست نامہ کو رونق بخشی ہم سب نے دیکھا کہ ان کی سیرت کیا تھی۔ اپنے نوکر و خادم کو دستر خوان پر بیٹھاتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اور ان کی نشست زمین پر ہوتی تھی (چہل حدیث امام رہ ص ۹۷)

عشق امام حسینؑ

اہل بیت وسید الشہداء امام حسینؑ کا عشق آیۃ اللہ حائری کے قلب میں نوجوانی ہی سے شعلہ ور تھا۔ سامرا و نجف میں طالب علمی کے زمانے میں بھی وہ اس عشق کی آگ میں جل جل کے خاک ہو جایا کرتے تھے اور مجالس عزا و نوحہ سرائی میں شرکت کے مواقع ڈھونڈھا کرتے تھے۔

سامرا میں جب طلاب علوم دینی کا ماتمی دستہ باہر نکلتا تھا آپ اپنی شیریں سخنی کے ساتھ طلاب کے آگے آگے نوحہ و ذکر مصائب حسین ابن علیؑ

؎ صحیفہ نور، ج ۱۶، ص ۹۳

کرتے تھے اور مجمع کو گریاں و پُر اشک بنا دیتے تھے اپنے درس کو ہمیشہ امام حسینؑ کے توسل سے شروع کرتے اور محرم وصفر کے ایام میں مدرسہ فیضیہ میں مجلس تعزیہ برپا کرتے تھے۔ آپ جب مجلس عزائے حسینؑ میں تشریف فرما ہو جاتے تو ذکر مصائب کا انتظار نہیں کرتے تھے بس نام حسینؑ سنتے ہی ان کی آنکھوں سے آبدار موتیوں کی طرح آنسو گرنے لگتے اور اتنی شدت کے ساتھ کہ کبھی کبھی بے حال ہو جاتے اور ناطاقتی آجاتی تھی۔[۱]

آیۃ اللہ حائری خاندان عصمت وطہارت کے شیدا تھے قم میں آپ نے ایام فاطمیہ کا احیا کیا اور ان ایام میں آخر عمر تک مدرسہ فیضیہ میں مراسم عزا کی برگزاری و ذکر مصائب کو موقوف ہونے نہیں دیا۔

غروب آفتاب

آیۃ اللہ حائری نے ایک طویل مدت تک تاریخ ایران و تشیع کے نازک ترین دور میں زحمت واندوہ کا تحمل کرتے ہوئے ایک لحظہ آرام نہیں کیا اور ہمیشہ ہی دین اسلام کے احیا کی تڑپ میں اپنے اوپر خواب و خور حرام کیے رہے حتیٰ کہ وہ اسلام کے دیرینہ دشمنوں کے مقابل میں تشیع کی عظیم ترین دانشگاہ (یعنی حوزہ علمیہ قم) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ حوزہ مقدس ہمیشہ مذہب تشیع

---

[۱] عنصر امر بہ معروف ونہی از منکر در نہضت حسین ص ۹۸ مرتضی مطہری

کے مقاصد واصول کا نگہبان رہے۔

انھوں نے اس اہم وعظیم کام کے ساتھ شہر قم کو اسلامی دانشمندوں کا مرکز بھی بنایا اور اس طرح سے مکتب اسلام کی عظمت پارینہ کو زندہ کیا اور اس کام کی انجام دہی میں آپ نے اپنے بے نظیر صبر واستقامت سے کام لیا لیکن اس کے باوجود ۱۳۵۵ھ کے اواخر میں رضا خان کے ظلم واستبداد وجرائم اور علمائے دین پر اس کا دباؤ زور وزبردستی اور مسجد گوہر شاد میں قتل وخون کے تلخ وناگوار واقعہ اور ایسی ہی ملت مسلمان ایران وحوزہ علمیہ پر ڈالی گئی متعدد آفات ومصائب نے آپ کے صبر وتحمل کو توڑ ڈالا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے بیمار جسم اور اندوہگین قلب کے ساتھ اپنی برسوں کی محنت کو بچانے اور حوزہ علمیہ قم کے مستقبل سے مطمئن ہونے کی غرض سے بزرگ فقہا میں سے تین ہستیوں، آیۃ اللہ سید محمد حجت کوہ کمری، آیۃ اللہ سید محمد تقی خوانساری وآیۃ اللہ سید صدر الدین صدر کو اپنے پاس بلوایا اپنا وصی وجانشین بنا کر حوزہ علمیہ قم ان کے سپرد کر دیا اور اسی سال ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ کو ۸۱ سال کی عمر بابرکت میں دیار ابدی کی طرف کوچ کر کے قم کے لوگوں اور جہان تشیع کو عزادار بنا گئے۔

پرشکوہ جلوس جنازہ

آیۃ اللہ حائری کی وفات ایران میں رضا خانی ظلم وجبر واستبداد کے عروج کے وقت ہوئی جبکہ رضا خاں کے حکم سے سوگواری،

ترحیم و عزاداری کی مجلسوں کا انعقاد حتیٰ کہ مجالس سید الشہداء بھی ایران کے شہروں میں ممنوع تھی اور اس تعلق سے حکومت کی نظر میں شہر قم خصوصی حساسیت کا مالک تھا۔ قم کی گلیاں، کوچے سڑکیں سب مسلح فوجیوں سے پُر رہتی تھیں شہر کے در و دیوار سے خوف و وحشت ٹپکتی تھی لیکن اس دن جب مرجع عالیقدر تشیع کی خبر شہر میں پھیلی تو باوجود اس رعب و خفقان کے حکومت مرجعیت کے شیدائیوں کے اجتماع کو روکنے پر قادر نہ ہو سکی۔

آیۃ اللہ حائری کے چاہنے والے سیاہ پیرہن میں ملبوس سینہ کوبی کر رہے تھے۔ خطرات کے حصار میں راستوں اور سڑکوں پر پھیل کر اس عظیم انسان کی علمی و معنوی بلندی اور بیش قیمت خدمات کی قدردانی کرتے ہوتے انھوں نے ایک باشان و شکوہ ترین مشایعت جنازہ کا منظر پیش کیا اور ان کے پیکر پاک پر نماز پڑھنے کے بعد حرم حضرت فاطمہ معصومہ کے جوار میں سپرد خاک کیا۔[1]

چونکہ استبدادی حکومت اجتماع عوام کے تصور سے گھبراتی تھی اس لئے اس نے اس دن صرف دو گھنٹہ مراسم عزاداری کے لئے دیئے اور اس کے بعد حکومت کے گماشتے مجمع میں گھس آتے اور مراسم کو موقوف کر دیا مگر وہ اس بات سے غافل تھے کہ اس مرد الٰہی کی رحلت کے دو دھائی بعد ہی ولایت کے محب خود کو آمادہ قیام مبارزہ کریں گے اور آیۃ اللہ حائری کے مکتب کے پروردہ کی رہبری میں استبداد کی ہستی کو باد فنا کے حوالے کریں گے۔

---

[1] گنجینۂ دانشمندان ج ۱ ص ۲۹۹ رازی

منابع و مآخذ

۱۔ قرآن مجید
۲۔ آثار الحجۃ ج ۱ رازی
۳۔ آشنائی با حوزہ ہای علمیہ شیعہ ج ۱ موجد ابطحی
۴۔ ارمغان تشیع، علامہ طباطبائی
۵۔ خدمات متقابل اسلام، استاد مطہری
۶۔ گنجینہ، آثار قم، فیض قمی
۷۔ میرزای شیرازی، از مجموعہ دیدار با ابرار، ش ،
۸۔ نہضت روحانیون ج ۱، علی دوانی
۹۔ تعلیم و تربیت در اسلام، استاد مطہری
۱۰۔ شرح حال رجال ایران، مہدی بامداد
۱۱۔ نقباء البشر، ج ۱، آقا بزرگ تہرانی
۱۲۔ گنجینہ دانشمندان ج ۱، رازی
۱۳۔ تاریخ بیداری ایرانیان
۱۴ آئینہ دانشوران، ریحان یزدی
۱۵۔ طبقات اعلام الشیعہ ج ۱
۱۶۔ الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی
۱۷۔ معجم الرجال الفکر والادب فی النجف

۱۸۔ ریحانۃ الادب، مدرسی
۱۹۔ مشاہیر دانشمندان اسلام
۲۰۔ تاریخ قم، تالیف محمد حسین ناصر الشریعہ
۲۱۔ اعیان الشیعہ، امین
۲۲۔ فقہای نامدار شیعہ، عقیقی بخشایشی
۲۳۔ تاریخ قم، جلال الدین تہرانی
۲۴۔ تاریخ بست سالہ ایران، حسین مکی ج ۴، ۶
۲۵۔ بیدار گران اقالیم قبلہ، استاد محمد رضا حکیمی
۲۶۔ سیمای فرزانگان، مختاری
۲۷۔ اندیشہ ہای سیاسی تاریخ نہضت بیدارگرانہ حاج آقا نور اللہ اصفہانی
۲۸۔ اربعین حدیث امام خمینی، چاپ دوم

تمام شد
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ